ماہنامہ

دختران اسلام

لاہور

مئی 2025ء

خدا کو کیوں مانیں؟ مذہب کیوں اپنائیں؟

حضرت بشر الحافی سے ملاقات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

اللہ کی مدد اور آزمائشوں کی حقیقت

صحت کا شعبہ اور ٹیکنالوجی

منہاج القرآن ویمن لیگ کے زیر اہتمام شہر اعتکاف 2025ء توبہ اور آنسوؤں کی بستی میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے فکر انگیز خطابات اور دیگر سرگرمیوں کی تصویری جھلکیاں

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کیلئے کوشاں

ماہنامہ دخترانِ اسلام لاہور

جلد: 32 شمارہ: 5 / ذوالقعدہ ۱۴۴۶ھ / مئی 2025ء

زیر سرپرستی بیگم رفعت جبین قادری

چیف ایڈیٹر قرۃ العین فاطمہ

فہرس

اداریہ (محنت کش معاشرے کے لیے ریڑھ کی ہڈی ہیں)		06
خدا کو کیوں مانیں؟ اور مذہب کو کیوں اپنائیں؟	مرتبہ: ثناء وحید	08
ادائیگی نماز کی عقلی توجیہات	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	23
اسلام میں سادہ طرزِ زندگی کا تصور	ڈاکٹر فرح ناز	36
صحت کا شعبہ اور ٹیکنالوجی	سمیہ اسلام	42
اللہ کی مدد اور آزمائشوں کی حقیقت	سعدیہ کریم	46
کتاب: تہذیب وتمدن کی روشنی	تحریر: ایم اے رضا خان	51
تعمیرِ شخصیت میں اولیاء کا کردار	عائشہ صدیقہ	54
فقہی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	66
The Impact of the Internet on Youth A Double Edged Sword	(Hadia Saqib)	72

ایڈیٹر
ثناء وحید

ڈپٹی ایڈیٹر
نازیہ عبدالستار

مجلس مشاورت
نوراللہ صدیقی، ڈاکٹر فوزیہ سلطانہ
ڈاکٹر نبیلہ اسحاق، ڈاکٹر شاہدہ مغل
ڈاکٹر فرخ سہیل، ڈاکٹر سعدیہ نصراللہ
مسز فریدہ سجاد، مسز فرح ناز
مسز حلیمہ سعدیہ، مسز راضیہ نوید
سدرہ کرامت، مسز رافعہ علی
ڈاکٹر زیب النساء سرویا، ڈاکٹر نورین روبی

رائٹرز فورم
آسیہ سیف، سعدیہ کریم، جویریہ سحرش
جویریہ وحید، ماریہ عروج، سُمیّہ اسلام

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم گرافکس: عبدالسلام
فوٹوگرافی
قاضی محمود الاسلام

مجلہ دخترانِ اسلام میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کیے جاتے ہیں
ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا

بدلِ اشتراک

قیمت فی شمارہ 60/- روپے

آسٹریلیا، کینیڈا، مشرقِ بعید، امریکہ 15 ڈالر

مشرقِ وسطیٰ، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ 12 ڈالر

سالانہ خریداری 700/- روپے

رابطہ: ماہنامہ دخترانِ اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون نمبرز: 042-5169111-3 فیکس نمبر: 042-35168184

Visit us on: www.minhaj.info | E-mail:sisters@minhaj.org

فرمان الٰہی

هُوَ الَّذِیٓ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ط فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِهٖ ج وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ م وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ج وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ.

(آل عمران،۳: ۷)

’’وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جس میں سے کچھ آیتیں محکم (یعنی ظاہراً بھی صاف اور واضح معنی رکھنے والی) ہیں وہی (احکام) کتاب کی بنیاد ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ (یعنی معنی میں کئی احتمال اور اشتباہ رکھنے والی) ہیں، سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے اس میں سے صرف متشابہات کی پیروی کرتے ہیں (فقط) فتنہ پروری کی خواہش کے زیر اثر اور اصل مراد کی بجائے من پسند معنی مراد لینے کی غرض سے، اور اس کی اصل مراد کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور علم میں کامل پختگی رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، ساری (کتاب) ہمارے رب کی طرف سے اتری ہے، اور نصیحت صرف اہلِ دانش کو ہی نصیب ہوتی ہے۔‘‘

فرمان نبوی ﷺ

عَنِ ابۡنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُوۡلَ اللهِ ﷺ قَالَ: اَللّٰهُمَّ بَارِکۡ لَنَا فِی شَامِنَا وَ یَمَنِنَا مَرَّتَیۡنِ فَقَالَ رَجُلٌ: وَ فِی مَشۡرِقِنَا یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُوۡلُ اللهِ ﷺ: مِنۡ هُنَالِکَ یَطۡلُعُ قَرۡنُ الشَّیۡطَانِ وَلَهَا تِسۡعَةُ أَعۡشَارِ الشَّرِّ. رَوَاهُ أَحۡمَدُ وَالطَّبَرَانِیُّ.

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! ہمارے لئے ہمارے شام میں اور ہمارے یمن میں برکت عطا فرما اور ایسا آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا: تو ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اور ہمارے مشرق میں (بھی برکت ہو) تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: وہاں سے تو شیطان کا سینگ نکلے گا اور وہاں دس میں سے نو حصوں (کے برابر) شر ہو گا۔

(المنہاج السوی من الحدیث النبوی ﷺ، ص:۱۰۰)

خواب

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی
مری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی
تو اے مسافر شب! خود چراغ بن اپنا
کر اپنی رات کو داغ جگر سے نورانی
(بالِ جبریل)

تعبیر

30 اکتوبر 1947ء کو ریڈیو پاکستان لاہور سے قائداعظم نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:

ایک متحد قوم کو جس کے پاس ایک عظیم تہذیب اور تاریخ ہے، کسی سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ کام، کام اور کام کریں۔ آپ یقیناً کامیاب ہوں گے۔ اپنا نصب العین یعنی اتحاد، ایمان اور تنظیم کبھی فراموش نہ کیجیے۔

تکمیل

’’انسانی تربیت کا معنی یہ ہے کہ اسے وہ طریقہ سمجھا دیا جائے جس سے اس کی صفتِ ملکوتیت طاقتور اور صفتِ بہیمیت کمزور پڑ جائے تاکہ وہ ابتلاء میں سے کامیابی کے ساتھ گزر سکے۔ گویا دورِ ابتلاء میں سے کامیابی کے ساتھ گزر جانا مقصدِ تربیت ہے۔‘‘ (ڈاکٹر محمد طاہرالقادری)

اداریہ

محنت کش اقتصادی جسم میں ریڑھ کی ہڈی ہیں

اسلام کے معاشی اور اقتصادی نظام کا مقصود ایک فلاحی معاشرہ قائم کرنا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے معاشرے کے ہر فرد کو بنیادی ضروریات کا حق عطا کر کے اسلامی معاشرے کو حقیقی معنوں میں فلاحی معاشرہ قرار دیا جس میں کسی بھی فرد کو بنیادی ضروریات اور عمومی سہولیات کے حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام نے سوسائٹی کے کمزور طبقات کے معاشی حقوق کا بطور خاص تحفظ کیا ہے۔ خواتین کا شمار صنف نازک میں ہوتا ہے۔ قدرت نے عورتوں کے مقابلے میں مردوں کو زیادہ قوت و توانائی عطا کی ہے لیکن دوسری طرف وراثت میں حق دار بنا کر اسلام نے خواتین کے معاشی حقوق کا تحفظ کیا۔ یکم مئی کو دنیا بھر میں مزدوروں کے عالمی دن کے طور پر منایا جاتا ہے اس دن مزدوروں کے حقوق کے لئے بڑے بلند و بانگ دعوے کئے جاتے ہیں، مزدوروں کے ساتھ اظہار محبت کیا جاتا ہے، ریاست بڑے بڑے اعلانات کرتی ہے مگر جیسے ہی یہ دن گزر جاتا ہے مزدورں کے حقوق کا بیانیہ قصہ پارینہ بن جاتا ہے بالخصوص خواتین استحصالی رویوں کا مردوں کی نسبت زیادہ شکار بنتی ہیں۔

پچھلے دس سال سے ہوم بیسڈ ورکر خواتین کے حقوق اور انہیں مناسب معاوضے دلوانے کے لئے ایوانوں کے اندر اور باہر مباحثہ عام ہوا، ہر طبقہ فکر نے اس بات پر زور دیا کہ گھروں میں کام کرنے والی خواتین کی رجسٹریشن ہونی چاہیے اور انہیں ان کی محنت کا پورا معاوضہ ملنا چاہیے، اس کے ساتھ ساتھ ہوم بیسڈ ورکر کے ساتھ پیش آنے والے پر تشدد واقعات کی روک تھام کے لئے ایسے قوانین تشکیل دیئے جائیں جنہیں نافذ کیا جا سکے مگر اعلانات اور بیانات تو بہت خوبصورت جاری ہوتے رہتے ہیں مگر عملاً گھروں میں کام کرنے والی خواتین کو نہ تو پورا معاوضہ میسر آتا ہے اور نہ ہی عزت نفس کا تحفظ اُنہیں حاصل ہوتا ہے۔

گھروں میں کام کرنے والی کم عمر بچیوں کی حالت زار تو ناگفتہ بہ ہے۔ ان بچیوں کی تعلیم حاصل کرنے کی عمر گھروں میں کام کاج کرتے گزر جاتی ہے، انہیں تشدد اور ہراسانی کے واقعات کا بھی سامنا رہتا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر و بیشتر ایسے واقعات میں ملوث طاقتور افراد سزاؤں سے بچ جاتے ہیں۔ اس رویے کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

ہر شخص جو گھر میں کسی سے خدمت لینا چاہتا ہے تو اُسے تمام حقوق و فرائض کے ساتھ اس طرح کی تقرریاں عمل میں لانے کی اجازت ہونی چاہیے اور ہر ہوم بیسڈ ورکر خاتون وزارت محنت کے پاس رجسٹرڈ ہونی چاہئیں اور ریاست کو ایسے ورکرز کی قانونی سرپرستی کرنی چاہیے تاکہ کوئی شخص بھی اُن کا استحصال نہ کر سکے۔ صوبائی اور قومی اسمبلیوں میں اس ضمن میں از سر نو قانون سازی ہونی چاہیے۔

یکم مئی صرف مزدوروں کے حقوق کی بات نہیں بلکہ یہ ہر اس شخص کے لئے ایک پیغام ہے جو محنت سے اپنی زندگی سنوارتا ہے۔ محنت کی کوئی چھوٹی یا بڑی شکل نہیں ہوتی، محنت ہر شکل میں قابل عزت ہے۔ یہ دن ہمیں ایک عظیم سبق دیتا ہے کہ محنت وہ جوہر ہے جو انسان کو عزت و وقار اور کامیابیاں عطا کرتا ہے۔ یہ دن ہمیں کمزوروں کے حقوق کے تحفظ کے لئے متحد ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ ذمہ داران جس قسم کے جذبات یکم مئی کے دن رکھتے ہیں، اگر یہی جذبات سالہا سال ہمارے اعمال و افعال کا حصہ بن جائیں تو پاکستان میں کوئی شخص بھی بھوک اور فاقوں کی وجہ سے جان نہیں گنوائے گا۔ (چیف ایڈیٹر: دختران اسلام)

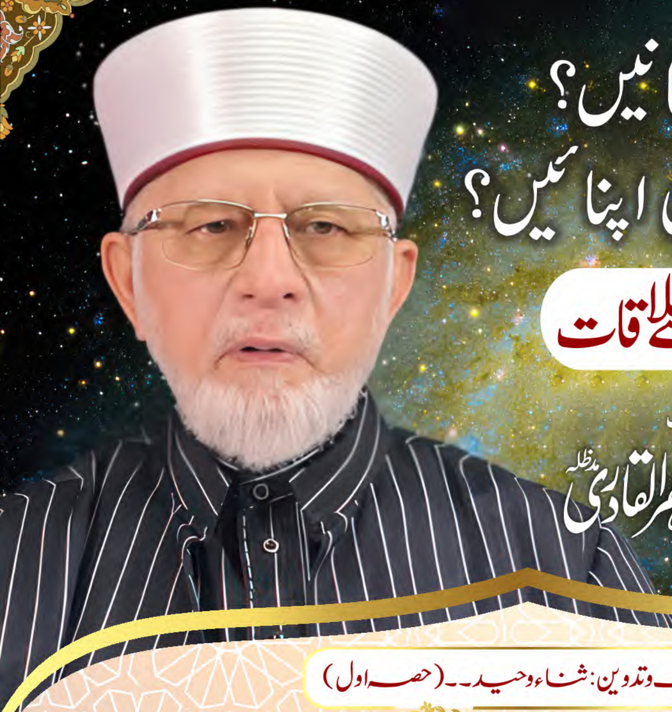

خدا کو کیوں مانیں؟ اور مذہب کو کیوں اپنائیں؟

حضرت بشر الحافی سے ملاقات

خصوصی خطاب

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

ترتیب وتدوین: شناء وحید۔۔(حصہ اول)

أَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (الانعام، ٦: ١٢٢)

”بھلا وہ شخص جو مردہ (یعنی ایمان سے محروم) تھا پھر ہم نے اسے (ہدایت کی بدولت) زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے (ایمان و معرفت کا) نور پیدا فرما دیا (اب) وہ اس کے ذریعے (بقیہ) لوگوں میں (بھی روشنی پھیلانے کے لیے) چلتا ہے اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ (وہ جہالت اور گمراہی کے) اندھیروں میں (اس طرح گھرا) پڑا ہے کہ اس سے نکل ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح کافروں کے لیے ان کے وہ اعمال (ان کی نظروں میں) خوشنما دکھائے جاتے ہیں جو وہ انجام دیتے رہتے ہیں۔“

اللہ رب العزت فرماتے ہیں بھلا وہ شخص جو مردہ ہے یعنی ایمان کی زندگی سے محروم ہے یا محروم تھا پھر ہم نے اسے ایمان اور ہدایت کی دولت کے ساتھ زندہ کر دیا۔ اور ہم نے اس کے لیے معرفت کا نور پیدا کیا۔ وہ مردہ تھا، حیات ایمانی سے محروم تھا یعنی اُس کا دل مردہ تھا۔ ہم نے اُسے ایمانی ہدایت سے نوازا اور اُس کا دل زندہ ہوگیا۔ پھر ہم نے اُس کے دل کو اپنی معرفت کا نور عطا کیا۔ اُس کا دل روشن ہوگیا اور ہماری معرفت کا نور لے کر وہ شخص بقیہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے تو دوسرے لوگوں میں

بھی وہ نور پھیلاتا ہے اوراس نور کو تقسیم کرتا ہے۔ یہ مثال دے کر ارشاد فرمایا کہ بھلا ایسا شخص اُس شخص کے برابر ہو سکتا ہے کہ جس کا حال یہ ہو کہ وہ ابھی بھی جہالت اور گمراہی کے اندھیروں میں اس طرح گرا پڑا ہے کہ وہ اُس اندھیرے سے نکل ہی نہیں سکتا جو لوگ گمراہی اور جہالت کے اندھیروں میں گم ہیں اور خود گمراہی کے اندھیروں سے نکلنے کے قابل نہیں کیا ایسے لوگ اُن لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں جن کے دلوں کو ہم نے ایمان کی زندگی سے زندہ کر دیا تھا اور جن کے دلوں کو اپنی معرفت کے نور سے روشن کر دیا اور پھر وہ نور اور روشنی ان کی اپنی ذات تک نہ رہی بلکہ وہ نور لے کر وہ لوگ پورے جہاں میں پھرتے ہیں اور وہ نور بانٹتے ہیں اور لوگوں کے دلوں کے اندھیروں کو دور کرتے ہیں۔

ایمان بیج کی طرح ہوتا ہے پھل دار درخت یا پودا بننے تک اس بیج پر بہت سارے حملے ہوتے ہیں، کسان ان حملوں سے بچاتا ہے

ایک طرف یہ لوگ اور دوسری طرف وہ جو خود اندھیرے میں گھرے ہوئے ہیں۔ اور اس اندھیرے سے نکلنے کی طاقت اور صلاحیت اور استطاعت نہیں ہے تو بتائیے یہ دو طرح کے لوگ کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

اللہ رب العزت نے اس مثال کے ذریعے بتایا کہ کافر اللہ کی معرفت سے محروم لوگ ہیں، اللہ کی طرف سے نور ایمان سے محروم لوگ ہیں۔ اپنے اُلٹے سیدھے اچھے برے اعمال اور کرتوتوں کو وہ اپنے لیے اچھا جانتے ہیں اور اپنی نظروں میں ان اعمال کو خوشنما دیکھتے ہیں اور یہ ہم اُن کو دکھاتے ہیں۔ اُن کے اپنے اعمال غلط سوچیں غلط فکر، غلط طرز عمل ہم اُن کو مزین کر کے دکھاتے ہیں اور وہ اس دھوکے اور مغالطے میں عمر بھر گمراہی میں رہتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے درج بالا سورہ الانعام کی آیت نمبر 122 میں بڑی ہی خوبصورت بات ایک مثال کے ذریعے دو قسموں کے لوگوں کا موازنہ کر کے بتا دی۔

اس آیت کریمہ میں جن لوگوں کا ذکر ہے۔ وہ لوگ جن کے دلوں کو اللہ نے ایمان کے نور سے زندہ کیا ایماں کے ذریعے۔ پھر ان کے دلوں میں اپنی معرفت کا

نور پیدا کیا اور پھر انہیں چشمہ نور بنایا اور انہیں امر دیا کہ وہ پوری دنیا میں میرے نور کو پھیلائیں اور جو لوگ اندھیروں میں گھرے ہوئے ہیں انہیں اندھیروں سے نکالیں۔ یعنی جو نور ہم نے ان کو دیا اس نور کو بانٹیں۔

یہ لوگ اور نور سے محروم اور اندھیروں میں بھٹکے ہوئے لوگ برابر نہیں ہو سکتے۔ ایسی ہی ایک ہستی جن کو اللہ نے نور عطا کیا ان کا تذکرہ کرتے ہیں جو اللہ کے نور کو لوگوں میں بانٹتا تھا اور کئی زمانوں تک اس کے بانٹے ہوئے نور سے لوگوں کے دل روشن ہوتے رہے۔ اس خطاب کے ذریعے آپ سب کو لے کر ایک ایسی ہی ہستی سے ملاقات کے لیے چلتا ہوں اور مل کر ہم سب ایک ملاقات کے لیے چلتے ہیں۔ اس ہستی سے ملاقات کرتے ہیں اور ان سے بات چیت کرتے ہیں۔ ان کا نام ہے حضرت بشر الحافی۔

اس خطاب میں چند بزرگ ہستیوں کی کتب کے توسط سے حضرت بشر الحافی سے ملاقات کرتے ہیں اور اس ملاقات کے لیے جن ہستیوں اور ان کی کتب نے میری مدد کی ان میں کتاب ”طبقات الصوفیاء“ امام ابو نعیم الاصبحانی ہیں انہوں نے اپنی کتاب" حلیۃ الاولیاء "کے ذریعے، امام ابوالقاسم قشیری ہیں انہوں نے" الرسالہ القشیریہ "کے ذریعے، امام ابن الجوزی ہیں انہوں نے صفت الصفواء کے ذریعے ، امام ذھبی ہیں انہوں نے" سیر الاعلام النبلاء " کے ذریعے کی اور ان سے اوپر حضور غوث پاک شیخ عبد القادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین کے ذریعے، حضور سیدنا داتا گنج بخش الھجویری ہیں نے کشف المحجوب کے ذریعے

اور امام یافعی ہیں انہوں نے" روض الریاحین "کے ذریعے اس ملاقات میں میری مدد کی۔جب آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ اس ملاقات کے مصادر کون ہیں تو اس ملاقات میں جو گفتگو ہو گی آپ کو اس کے مصادر مے مکمل آگہی ہو گی۔آیئے ایک مثال سے اس بات کا آغاز کرتے ہیں۔ ایمان کی مثال ایک بیج کی طرح ہے جو دلوں کی زمین میں بویا جاتا ہے پھر وہ بیج خود بخود پودا نہیں بن جاتا، خود بخود درخت نہیں بنتا،خود بخود بغیر کسی محنت اور مشقت کے وہ پھل دار نہیں ہوتا اور وہ لوگوں کے لیے نفع مند نہیں ہوتا۔ یہ سارے مرحلے بہت ساری اضافی اندرونی اور بیرونی کوششوں کے محتاج ہوتے ہیں۔

چلیے تصور میں زمین میں ایک درخت بوتے ہیں میں آپ کو اس تمثیل سے سمجھاتا ہوں۔ ایمان ایک پودے کی طرح ہے۔ پہلے یہ بیج کی طرح ہوتا ہے۔ ابتداء میں زمین کو آپ کھاد دیتے ہیں کیمیکل دیتے ہیں۔ اور پھر پانی دیتے ہیں۔ ایک کسان اور مالی اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ پانی کھاد اور کیمیکلز مل کر اور پھراوپر سے سورج کی تپش،روشنی اور ہوا ماحول سے یہ سب اجزاء مل کر اس بیج کو پلانٹ بناتے ہیں جو چھوٹا سا پودا اگاتے ہیں اور پودا اُوپر کی جانب بڑھتا ہے آگے سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ آگے چلیں جب مالی دیکھ بھال کرتا ہے، کھاد اچھی ملتی ہے،آب و ہوا اچھی ملتی ہے۔ تو مالی اس پودے کو نقصان دہ چیزوں سے بچانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ مٹی میں تو کیڑے بھی آتے ہیں اور ایسی چیزیں آتی ہیں جو اسے نقصان دیتی ہیں تو مالی جب پودے کی حفاظت کرتا ہے تو یہ پودا بڑھتا بڑھتا ایک درخت بن جاتا ہے۔

لہذا ایمان بھی بیج کی طرح ہمارے دلوں میں آجاتا ہے۔مزید سمجھنے کے لیے کسی بھی فصل کو تصور میں لائیں کہ ایک فصل ہے اور کسان اُسے کیڑوں سے بچانے کے لیے کسان اپنی فصل کو سپرے کرتے ہیں۔ مکمل حفاظت کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں وہ پودا فصل اور درخت میں بدلتا ہے۔ اور پھل دار درخت بنتا ہے اور پھر آپ اس کا پھل کھاتے ہیں۔ اب دیکھیئے یہ وہی بیج ہے جس کو کھاد ملی،کیمیکل ملے، اچھی زمین ملی اور مالی نے اس کی خوب دیکھ بھال کی،پرورش کی اس کو بُری چیزوں سے محفوظ کیا اور پالتے پالتے نتیجہ یہ نکلا کہ یہ گندم کی فصل تھی اور یہ پک گئی مالی کا دل خوش ہوا اور کٹ کے آپ کے گھروں پر پہنچ گئی اور آپ کی خوراک بن گئی۔ درج بالا ساری شرائط پوری کرنے کے بعد یہ بیج اس مقام پر پہنچا اور آخر کار فصل تیار ہو گئی۔

اور اگر اہم مذکورہ تمام شرائط نظر انداز کر دیں تو سمجھ لیں کہ آپ کا ایمان اس بیج کی مانند ہے جسے زمین میں بویا اور اسے اچھی کھاد نہیں ملی اچھی اُسے پانی نہیں ملا اور مسلسل ایک ترتیب کے ساتھ اپنے اپنے وقت پر مناسب دیکھ بھال نہیں ملی، آب و ہوا اچھی نہیں ملی، مالی نے دیکھ بھال نہیں کی، نقصان دہ چیزوں سے اُس کی حفاظت نہیں کی تو نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عرصے کے بعد وہ بیج جل گیا۔ اب آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ فصل کیسے تباہ ہوگئی۔ زمین تھی مگر ضروری چیزیں مہیا نہیں ہوئیں تو فصل جل گئی۔ سب کی سب جل گئی بارش نہیں ہوئی تب جل گئی کیڑے باہر سے لگ گئے تب بھی جل گئی۔ زمین میں کھاد نہیں ملی تب بھی جل گئی اور اگر سپرے نہیں کیا تب بھی جل گئی۔

اگر اعمال صالح نہ ہوں تو ایمان کی نشو و نما رک جاتی ہے، دل کا مسلمان ہونا کافی نہیں، اعمال اور معمولات کا پاکیزہ ہونا بھی ضروری ہے

بس اب سمجھ لیں یہ جو کھیتی ابھی آپ نے تصور کی ہے جو بیج سے پروان چڑھی ہے ہمارے دل کی کھیتی۔ آپ اور ہم مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے اور ہم نے بچپن میں پیدا ہوتے ہی اذان سنی۔ مسجد کے ساتھ ہمارا تعلق جڑا نماز پڑھی ماں باپ نے دین سکھایا مسجد کے امام نے سکھایا علماء نے دین سکھایا ارد گرد کے ماحول نے سکھایا اور ہم مسلمان بن گئے۔ ہم نے سمجھا چونکہ ہم مسلمان ہیں ایمان کا بیج تو ہمارے دل میں ہے ہی تو یہ خود بخود ایمان ایک پھل دار درخت بن جائے گا۔ اس مغالطے نے ہمیں برباد کر دیا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بیج جو ایمان کا ہمارے دلوں میں ہے یا عقیدت ہے یا مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں یا ماں باپ کی طرف سے میراث ملی ہے یا کوئی تعلق ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خود بخود بڑھتے بڑھتے ہر چیز سے محفوظ بھی ہو جائے گا اور پھل دار درخت بن جائے گا۔ یہ نظام قدرت نہیں ہے۔ آپ کے اپنے ملک میں یا دنیا کے کسی ملک میں فصلیں اس طرح نہیں اُگتیں۔ درخت اس طرح اپنے آپ کبھی پھل دار نہیں ہوتے۔ اب یہ سمجھیے کہ ایمان کے بیج کو جو کھاد درکار ہے۔ وہ کھاد کیا ہے؟ وہ کھاد اعمال صالحہ ہیں۔ نیکیاں

ہیں نماز، روزہ، حج، زکوۃ، قرآن مجید کی تلاوت، قرآن کا فہم، قرآن کا تدبر، آقاعلیہ الصلاۃ السلام کی سنت، سنت کی متابعت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، برائی اور بھلائی کو سمجھنا اور دین کے احکام پر عمل کرنا یہ ساری کی ساری کھاد ہے جو اس بیج کو پودے میں بدلتی، بڑھاتی، رفتہ رفتہ جوان کرتی اور درخت تک پہنچاتی ہے۔ پھر ان اعمال صالحہ میں پانی ملتا ہے۔ پانی اُس بیج اور درخت کو حیات دیتا ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ زمین مردہ ہوتی ہے ہم بادلوں کو لاتے ہیں بادل بارش برساتے ہیں اور پانی کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں۔ اب یہ وہی زمین ہے۔ ہمارے دلوں کی زمینیں بنجر ہو کر مردہ ہو چکی ہیں ۔تو جو ارد گرد بادل ہیں جو پانی دیتے ہیں اور آب و ہوا ہے یہ وہ ماحول ہے کہ آپ کی سنگت اور محبت کیسی ہے؟ اب سوال یہ ہے کہ ایمان کے بیج کی حفاظت کرنے کے لیے آپ کے اعمال کیسے ہیں؟ اعمال ایمان کے پروٹیکٹر ہیں اور ایمان کے پروموٹر ہیں اور اعمال کے ذریعے ایمان کی گروتھ ہوتی رہتی ہے۔

> کافر اللہ کی معرفت اور نورِ ایمان سے محروم لوگ ہیں، انہیں اپنی برائیاں بھی خوش نما اعمال دکھائی دیتی ہیں

اگر اعمال صالحہ نہ ہوں تو ایمان کی صالحہ گروتھ رک جاتی ہے۔لوگ اُس معاملے پر فکر مند ہی نہیں ہوتے۔لوگوں کا تصور یہ ہے کہ ہمیں احکام اور اعمال کی ضرورت نہیں ہے، دل مسلمان ہونا چاہیے بس باہر بھلے کفر ہوتا رہے۔ دل صاف ہونا چاہیئے،میں دل کا مسلمان ہوں ، یہ ایسا کفریہ نظریہ داخل ہوگیا ہے ہماری زندگی میں گزشتہ نشستوں کے موضوعات کی بحث میں جواُنہی باطل افکار و نظریات پر مبنی تھی میں سے ایک نظریہ یہ ہے دہریت کے نام پر نظریات قائم کیے ہوئے ہیں کہ بس پردہ دل کا ہونا چاہیے،طہارت دل کی ہونی چاہیئے،سچائی دل کی ہونی چاہیئے،ایمان مسلمان کے دل میں ہوناچاہیے،میں دل کا مسلمان ہوں۔ یادرکھیں کہ یہ اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کے خلاف بغاوت ہے۔ کوئی شخص جس کے ظاہر میں کفر ہے وہ دل کا مومن نہیں ہوسکتا۔ جس کے ظاہر میں

فسق و فجور ہے وہ دل کا صالح نہیں ہوسکتا۔ جس کے ظاہر میں گندگی، غلاظت ہے جس نے اللہ کی مخالفت کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اس کا دل اور باطن کبھی پاکیزہ اور کبھی ستھرا نہیں ہو سکتا۔ کسی کے دل میں صالحیت نیکی، پرہیز گاری اللہ کی محبوبیت اُگ ہی نہیں سکتی وہ فصل پک ہی نہیں سکتی جس کے ارد گرد کے ماحول میں کیڑے ہیں اور کوئی دکھ بھال نہیں۔

تقویٰ کیا ہے؟ تقویٰ وہ سپرے ہے جو سپرے کر کے فصلوں کو آپ نقصانات سے بچاتے ہیں۔ ارد گرد کے حملوں سے بچاتے ہیں تو تب جا کے فصل آگے پروان چڑھتی ہے۔ تقوی اللہ رب العزت نے آپ کے ارد گرد 24 گھنٹے ایک سپرے کی۔ ایک حفاظتی دیوار قائم کی ہے۔ اگر باہر کی وہ حفاظتی دیوار ہٹا دیں تو اندر بھلائی کی آرزو بھی ہو تو وہ آرزو گل سڑ جاتی ہے۔ یہ جو تصور ہے کہ ظاہر کو رد کر دینا غیر اہم سمجھنا اور سمجھنا کہ دل میں مسلمانیت ہے۔ دل میں صفائی ہے۔ اُس دل کی صفائی کا کوئی معنی نہیں۔

مثال کے طور پر اگر ایک کیلے کو لیں اور اس کا چھلکا اتاریں جو کہ اس کا ظاہر ہے۔ اب یہ اندر کیلا ہے۔ آپ نے یہ کیلا کھانا ہے۔ آپ کے منشا کی مطلب کی چیز اس کا اندر جو کھانا ہے۔ مگر اس کا ظاہر اس کی جلد اتار کے پھینک دیں اور اس کو دو دن رکھ دیں اپنے گھر میں جہاں چاہیں رکھ لیں فریج میں رکھ لیں باہر کاؤنٹر پر رکھ لیں۔ اب بتایئے کیا دو دن کے بعد کھائیں گے آپ اس کو؟ کیلا تو وہی ہے۔ اس کا چھلکا اتار کے رکھ دیں چند دن تو اندر تو اصل چیز ہے نا اگر نہیں کھا سکتے سوچیئے کہ یہ کیسے کہتے ہیں کہ بس اندر کی مسلمانیت ہونی چاہیئے۔ ظاہر کے بغیر باہر رکھا گیا کیلا اندر کی مسلمانیت کی مانند ہے تو بتایئے کیا ظاہر کے بغیر رہے گی آپ کی اندر کی مسلمانیت سلامت؟

آپ اُٹھا کے پھینک دیں گے۔ کہیں گے کہ یہ تو یہ گل سڑ گیا ہے۔ لہذا جیسے یہ پھل گل گیا ہے نا ظاہر کا چھلکا اتار دینے کے بعد وہ جو پروٹیکٹر تھا گل گیا۔ اسی طرح انسان کا من بھی گل جاتا ہے سڑ جاتا ہے۔ کھانے کے قابل نہیں رہتا۔ اچھا یہ تو وہ پھل ہے جس کے اندر کے حصے کا فائدہ تھا مگر ظاہر اً چھلکا اس کے باطن کی حفاظت کرتا تھا باہر کا چھلکا فائدہ مند نہیں تھا آپ کے کھانے کے کام نہیں آتا تھا اُس کے اندر کی افادیت کو برقرار رکھتا تھا۔

اب پھل کی دوسری قسم کی بات کرتے ہیں سیب کو ہم کھاتے ہیں۔ کیونکہ سیب کے چھلکے میں آئرن زیادہ ہوتا ہے تو لوگ دونوں طرح سے کھاتے ہیں چھلکے سمیت اور اس کے بغیر اور ہمارے پاکستان میں دیہاتوں کی زندگی میں پہلے رواج ہوتا تھا کہ چھلکے کو چاقو سے اتار دیتے تھے۔ خالی اندر کا سیب نکال کے چھلکے کے بغیر دیتے تھے۔ اس طرح بھی کھاتے ہیں۔ مگر اس کے اندر آئرن زیادہ ہوتا ہے۔ اس کا ظاہر (چھلکا) اس سے ایسا جڑا ہوا ہے کہ اس نے حفاظت بھی کر رکھی ہے اور خود اس کے اندر افادیت بھی ہے۔ ایسی افادیت بھی ہیں جو اندر والے گودے میں اتنی نہیں ہیں۔ اب آپ اس کو بھی کاٹ دیں تو اندر سے سیب نکل آئے گا ظاہر (چھلکا) اتار دیا تو اب اس کو رکھ لیں دو تین دن تو کیا اُس کے بعد کھائیں گے آپ اس کو؟

تقویٰ وہ سپر ہے
جو آپ کے دل کی
پاکیزہ دھرتی کو
آلودہ ہونے سے
بچاتا ہے

میں تو صرف آپ کو مثالیں دے رہا ہوں حالانکہ سیب کا ظاہر کیلے کے ظاہر سے مختلف ہے۔ کیلے کا ظاہر صرف حفاظت کے لیے تھا اور سیب کا خود کھانے کے لیے ہے، آئرن دیتا ہے۔ یہ خود غذائیت ہے مگر اس کو اُتار دیں تب بھی آپ سیب نہیں کھاتے۔ تو بات یہ ہے کہ ظاہر اتار کے اندر کا جو باطن ہے آپ اس کو خود نہیں کھاتے کیونکہ وہ گل جاتا ہے، براؤن کلر کا ہو جاتا ہے، آپ پھینک دیتے ہیں۔ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اگر انڈے کا اوپر کا چھلکا اُتار کے پھینک دیں اور جو کچھ اندر ہے اُس کو رکھ دیں پلیٹ میں ایک دو دن رکھ دیں۔ کوئی کھائے گا؟ نہیں کھائے گا کوئی بھی۔

اگر کینو (مالٹا) کی مثال لیں تو اس کا چھلکا اس کا ظاہر ہے چھلکے کو اتار دیں تو اس کا اندر اورینج، مالٹا نکل آیا ہے اس کو رکھ دیں کئی دن تک تو کیا کھائیں گے آپ؟ جواب نفی میں ہے۔ باطن کی حفاظت اس کے ظاہر سے ہوتی ہے۔ باطن کی افادیت ظاہر کے ساتھ رہتی ہے۔ مختلف پھلوں کو دیکھیں تو پھل کئی قسموں کے ہیں۔ کچھ کے ظاہر میں فرائض ہیں، کچھ کے واجبات ہیں کچھ کے سنن ہیں۔ کچھ کے نوافل ہیں کچھ مستحبات ہیں۔ ظاہر کے مختلف

درجے ہیں۔ اگر مثال کے طور پر کھجور کو دیکھیں تو اِس کا سارا کچھ یعنی افادیت ظاہر میں ہے۔ اس کے گودے کو اتارتے چلے جائیں اینڈ پر نیچے گھٹلی رہ جائے گی۔ جو اس کا اندر ہے اس کے باطن میں وہ گھٹلی ہے۔ گھٹلی آپ کھانے کو ہی تیار نہیں ہیں اس کو پھینک دیتے ہیں۔ تو کھاتے بس وہ کچھ ہیں جو گھٹلی کے باہر ہے سارا۔ اب یقیناً آپ کو ظاہر اور باطن کا آپس کا ربط اور ان کا تعلق بہت اچھے سے سمجھ آگیا ہوگا۔

اگر انگور کی مثال لیں تو انگور کے ظاہر اور باطن میں فرق ہی نہیں ہے؟ آپ اسے سارا کھاتے ہیں۔ اس کے اندر بیج ہی نہیں ہے۔ اس کا ظاہر بھی وہی ہے اور باطن بھی وہی ہے کوئی تفریق ہی نہیں ہے۔ یعنی اللہ رب العزت نے ان کے ظاہر اور باطن کو مکس کر کے ایک بنا دیا۔ آپس میں جوڑ دیا ہے اور اگر بیج والا انگور ہو تو وہ اتنا سا ہے۔ وہ آپ پھینک دیتے ہیں اور سارا ظاہر ہی کھاتے ہیں اور اینڈ پر جو بیج آتا ہے اُس کو پھینک دیتے ہیں۔ لہٰذا دو قسموں کے لوگ ہیں۔ باطن کو پھینک دیتے ہیں اور سارا ظاہر کھا لیتے ہیں۔ یا اگر انگور بیج کے بغیر ہے تو سارا باطن اور ظاہر جو ایک ہی ہے کھا لیتے ہیں۔ یہ میں نے چند ایک مثالیں آپ کو سمجھانے کی غرض سے پیش کی ہیں۔

سمجھانا مقصود یہ تھا کہ جو لوگ ہمیں دین کی راہ سے ہٹانا چاہتے ہیں، ہٹا رہے ہیں۔ اور کفر کے کلچر کی طرف لے جا رہے ہیں جو کلچر ہمیں اللہ کے وجود کے انکار پر لے آیا ہے اور جب اللہ کی ذات کا انکار ہوتا ہے تو اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں، نبی اور رسول کا انکار

ہوتا ہے جب اُن کا انکار ہوتا ہے تو اُس کی بھیجی ہوئی کتاب کا انکار ہے اور جب کتاب اور قرآن کا انکار ہے، دین کا انکار ہے تو پورے مذہب کا انکار ہے۔ اور جب مذہب کا انکار ہے تو اوامر و نواہی کا انکار ہے۔ حلال و حرام کا انکار ہے، ایمان اور اسلام کے اعمال صالحہ کا انکار ہے، تقویٰ کا انکار ہے۔

اس طرح سارے احکام مٹا کر یہ کوشش صرف اور صرف Godless سوسائٹی اور حیوانی سوسائٹی بنانے کا منصوبہ ہے۔ لہذا یہ میں نے اس تفصیل سے اس لیے سمجھایا کہ ہمیشہ ظاہر کے اپنے فوائد ہوتے ہیں اور باطن کے اپنے فوائد۔ جب نماز پڑھتے ہیں اگر کہیں گے کہ نیت اچھی ہونی چاہیے اور نیت میں ہی سارا دین رکھا ہے۔ تو ایسا نہیں ہے نیت اُسی وقت معتبر ہوتی ہے جب کوئی عمل صالحہ کیا جائے۔

نیت از خود عمل صالحہ کی ہوتی ہے اور اگر ظاہر میں نیک عمل کریں اور اُس کی نیت اچھی ہو تو وہ اُسے مقبول بنا دیتا ہے اور اگر آپ سرے سے عمل ہی نہ کریں اور خالی نیت رکھیں تو بتایئے کونسا عمل قبول ہوگا اللہ کی بارگاہ میں؟ آپ صرف حج کرنے کی نیت کر لیں اور حج کرنے نہ جائیں تو حج تو نہیں ہو گا۔ آپ زکوۃ ادا کرنے کی صرف نیت کر لیں اور زکوۃ نہ دیں تو زکوۃ کا فریضہ ادا نہیں ہوگا۔ آپ خالی نیت کریں اور دن بھر کھاتے رہیں تو روزہ نہیں ہوگا۔ آپ خالی نیت کریں اللہ کی عبادت کی اور عبادت نہ کریں، فرائض ادا نہ کریں، نماز نہ پڑھیں تو صرف نیت کرنے سے وہ عمل نہیں بن جاتا۔ عمل کی ایک اپنی اہمیت ہے۔ اُس کا ظاہری وجود ہے۔ اُس میں آپ تکبیر تحریمہ کہتے ہیں، اللہ اکبر، جب اللہ اکبر کہتے ہیں تو اس کو تکبیر تحریمہ کیوں کہتے

ہیں؟ یعنی یہ پہلی ایسی تکبیر ہے، جو باقی ساری چیزیں حرام کر دیتی ہے۔ ہم پاکستان میں تکبیر تحریمہ بولتے ہیں تو تحریم ہے حرام کر دینے والی۔ یعنی جب اسے بولتے ہیں نماز کے لیے تو معنی ہے کہ اب اللہ سے میری میٹنگ کا ٹائم شروع ہو گیا ہے۔

اللہ سے میرا میٹنگ ٹائم فکس تھا۔ إن الصلوۃ کانَ علی المُؤمِنین کتابا موقوتا اللہ نے پانچ اوقات اپنی میٹنگ ٹائم کے لیے فکس کر دیئے ہیں کہ یہ میری ملاقات کے اوقات ہیں آجاؤ میری بارگاہ میں۔ اب اللہ سے ملاقات ہے۔ جب آپ کسی بڑے سے ملاقات کے لیے جاتے ہیں تو سیل فون بند کر دیتے ہیں۔ باہر کے تمام کنکشن بند کر دیتے ہیں، میٹنگ روم سے باہر بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ سارے کام چھوڑ دیتے ہیں۔ ہر کام حرام ہو جاتا ہے سوائے اُس کام کے جس میں داخل ہوگئے۔ تو یہ تکبیر کہتے ہی جب نماز میں داخل ہوتے ہیں تو اب یہ اللہ سے ملاقات کا ٹائم ہے۔ ساری ملاقاتیں بند، سارے میسجز سارے رابطہ بند، ساری گفتگو بند۔ اب دائیں بائیں اگر چہرہ بھی پھیر لیا تو نماز ٹوٹ گئی۔ ہر چیز جو تکبیر کہنے سے پہلے حلال تھی کتابیں پڑھنا، باتیں کرنا، کھانا پکانا ،روٹی بنانا یہ سب کچھ حلال کام تھے جو دن بھر کرتے ہیں تکبیر کہتے ہی سارے کام حرام ہوگئے، کیوں؟ کیونکہ اللہ سے میٹنگ کا ٹائم آگیا۔ اب اللہ سے ملاقات کا وقت شروع ہوگیا ہے۔ تو جان لیں کہ یہ عبادت ان شرائط کے ساتھ کریں گے تو پھر ہی نیت کام آئے گی نا اور اگر عبادت کا عمل ہی نہیں کرنا تو نیتیں جتنی چاہیں اچھی بنا کر پھرتے رہیں آپ کی نیت سے کیا فائدہ ہوگا۔

لہذا یہ ایک تصور ہے کہ جب آپ اپنے ایمان کو، کہتے ہیں کہ میں یہ ایمان رکھتا ہوں کہ یہ میرا اور میرے اللہ کے درمیان معاملہ ہے۔ تو یہ بھی کفر کو فروغ دینے کا نظریہ ہے اور ایک دھوکہ بندی ہے۔ اور یہ کہہ دینا کہ یہ میرا پرائیویٹ میٹر ہے۔ تو یاد رکھ لیں، میرے نوجوان بیٹے ،بیٹیاں، سب ذہن میں رکھ لیں۔ کوئی پرائیویٹ میٹر نہیں ہے ۔ دین سارا کا سارا اُس رب کی کمانڈمنٹس (Commandments) میں ہے۔

آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور جب نماز با جماعت پڑھ رہے ہیں تو پرائیویٹ میٹر کونسا؟ نماز میں مصلے پر کھڑے ہیں، قیام کر رہے ہیں، رکوع میں، سجود میں ہیں، تلاوت کر رہے ہیں۔ اکیلے پڑھیں تب بھی اور مسجد میں اگر باجماعت پڑھیں تو پھر ثواب 27 گنا بڑھ جاتا ہے۔ اب اُس کے اندر عمل کریں تو اُس کے اندر پرائیویسی یہ ہے کہ

کہیں آپ ریاکاری تو نہیں کر رہے، دکھانے کے لیے تو نہیں پڑھ رہے۔ نماز کا مقصد کیا ہے؟ اللہ کی رضا کی طلبی، اللہ کی محبت، اللہ کی قربت، بخشش و مغفرت کو طلب کرنا یا لوگوں کو دکھانا۔ دین کا ہر عمل جو بندے اور اللہ کے درمیان ہے نیت کا تعلق ہے، اُس عمل کو یہ کہہ کے چھوڑ دینا کہ یہ میرا پرائیویٹ میٹر ہے غلط نظریہ ہے۔ اسی پرائیویٹ میٹر نے آج کل فحاشی، بدکاری، بے حیائی اور عریانی کو رواج دے دیا ہے۔ کہ یہ میرا اور میرے اللہ کے درمیان پرائیویٹ میٹر ہے۔ آپ حرام کرتے چلے جائیں، حرام کرتے چلے جائیں، حرام کھاتے جائیں۔ حرام پیتے چلے جائیں، زندگی حرام سے بھر دیں کوئی منع کرے تو یہ کہہ دیں کہ بھئی یہ میرا اور میرے اللہ کا ذاتی میٹر ہے تو جان لیں کہ یہ تصور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے نہیں دیا۔ یہ میرا پرسنل میٹر ہے۔ یہ Godless society کفر و الحاد کی طرف لے جانے والے عناصر ہیں۔

دین اسلام ایک پورا نظام حیات ہے جس میں ہر طرح سے رہنمائی موجود ہے کہ کھانے کا طریقہ یہ ہے، پینے کا طریقہ یہ ہے، اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے، ملنے ملانے کا طریقہ یہ ہے، رشتے یہ ہیں، دوستوں سے کس طرح ملنا ہے۔ لوگوں کے حقوق یہ ہیں، واجبات یہ ہیں، والدین سے اس طرح برتاؤ کرنا ہے، غریب سے اس طرح کا رویہ رکھنا ہے۔ کمزور سے پڑوسی سے، دشمن سے، دوست کے ساتھ کس طرح سے تعلق رکھنا ہے، لین دین میں یوں، کاروبار میں یوں، عبادت میں یوں، تجارت یوں چلتا ہے یہ ساری زندگی دین ہے۔ اس میں پرائیویٹ میٹر کہاں سے آگیا۔ یہ حرام ہے یہ نہیں کر سکتے۔ یہ حلال ہے یہ کر سکتے ہیں۔ یہ اوامر ہیں یہ نواہی ہیں۔ پوری کی پوری زندگی ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو دین اسلام نے فراہم کیا ہے۔ اسی کوڈ آف لائف میں کچھ اعمال کی شکل ظاہر چل رہی ہوتی ہے اور کچھ کی باطن چل رہی ہوتی ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے

معاون ہوتے ہیں۔ یہ کفر کو اپنی زندگیوں میں جگہ دینے کے لیے، بے حیائی کو جگہ دینے کے لیے، حرام کاری اور حرام خوری کو اپنی زندگی میں جگہ دینے کے لیے، دین کے احکام سے جان چھڑانے کے لیے، دین کے فرائض و واجبات کا بوجھ اتار پھینکنے کے لیے، اپنے آپ کو مادر پدر آزاد کرنے کے لیے ہم نے یہ باتیں گڑھ لی ہیں کہ میرا پرائیویٹ میٹر ہے۔ یہ سارے ایسے کلمات ہیں جو کفر کے کلچر نے آپ کو سکھائے ہیں اور ہم تک پہنچائے ہیں۔

عزیزان محترم! توبہ کیجیے اور اس تقسیم کو ختم کریں۔ میں نے آپ کو یہ سارا نظام سمجھا دیا ہے۔ اگر ایک پودے کو دیکھیں تو جب پودا اگتا ہے اس کے بھی پبلک میٹر بھی ہیں پرائیویٹ بھی جو کچھ زمین کے اندر سے کیمیکل اس کے تنے کے اندر آ رہے ہیں اور وہ جوان ہو رہا ہے، تنا اور درخت بن رہا ہے تو جو چیز نظر نہیں آتی وہ اس کے اندر کا پروسیس ہے وہ پرائیویٹلی اللہ نے نظام چلایا ہے مگر اس کی حفاظت یعنی پبلک میٹر باہر سے ہو رہی ہے۔ مالی کام کر رہا ہے، وقت پر فصل کاٹ رہا ہے۔ اس کو سپرے کر رہا ہے بارش دی جا رہی ہے۔ آب و ہوا اچھی دی جا رہی ہے۔ اس کی دیکھ بھال ہو رہی ہے یہ ساری چیزیں باہر سے بھی ہو رہی ہیں اندر سے بھی ہو رہی ہیں۔ اگر باہر اور اندر ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں کٹ جائیں تو جیسے پودا جل جاتا ہے ایسے ایمان کا درخت بھی جل جاتا ہے۔ باہر کو اندر سے جدا نہیں کر سکتے اور اندر کو باہر سے جدا نہیں کر سکتے۔

تو یاد رکھیے کہ اگر آپ اللہ کے حضور نماز کے ہی تارک ہیں تو اللہ سے کونسا تعلق ہے جو آپ کے دل کا تعلق ہے۔ آپ نے اللہ کی نافرمانی کردی آقا علی آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے بین الکفر والایمان الصلاۃ، بخاری اور مسلم کی متفق علیہ درجنوں احادیث میں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کفر اور ایمان میں فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔ من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔ تو آپ نماز نہیں پڑھ رہے اور جو کوئی کہتا ہے کہ پڑھیں تو کہتے ہیں یہ میرے اور اللہ کے درمیان پرائیویٹ میٹر ہے آپ کون ہوتے ہیں یہ کہنے والے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے آپ دین کو جھٹلا رہے ہیں کہ دین کون ہوتا ہے مجھے حکم دینے والا۔ دین کہتا ہے جس نے نماز چھوڑ دی جان بوجھ کر اس نے کفر کیا۔

یہ کہنا کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے میرے اور میرے اللہ کے درمیان معاملہ ہے۔ یہ مذہب آپ نے خود بنا لیا ہے؟ آپ خود پیغمبر بن گئے ہیں۔ (نعوذ باللہ) خود خدا بن رہے ہیں۔ احکام خود وضع کر رہے ہیں؟ نہ یہ نظریہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ہے۔

دیکھئے! عزیزان محترم کس طرح کفر غیر شعوری طور پر لاشعوری طور پر ہماری زندگی میں داخل ہو رہا ہے۔ اور داخل کیا جا رہا ہے کہیں پرائیویسی کے نام پر کہیں (Personal freedom) کے نام پر ذاتی آزادیاں ہیں۔ طرح طرح کے عنوانات ہیں، یہ گمراہی ہے۔

لہذا ایمان کی حفاظت اُسی وقت ہوتی ہے جب ظاہر و باطن دونوں میں اللہ پاک کے دیئے ہوئے احکام کا نفاذ ہو اور پھر اُس کی کوالٹی کو بہتر کیا جائے۔ قرآن مجید کو پڑھئے سورۃ البقرہ آیت نمبر 160 میں فرمایا:

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ (البقرہ، ۲: ۱۶۰)

مگر جو لوگ توبہ کر لیں اور) اپنی (اصلاح کر لیں اور) حق کو (ظاہر کر دیں تو میں) بھی (انہیں معاف فرما دوں گا، اور میں بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔

یہ آیت توجہ طلب ہے کہ جن لوگوں نے گناہ کیے غلطیاں کیں خطائیں کیں اُن کے لیے عذاب ہوگا۔ سوائے اُن لوگوں کے جو توبہ کرلیں اور پھر اپنی اصلاح کرلیں، جو فرائض چھوڑے تھے اُن کی ادائیگی کریں، جو سنتیں چھوڑی ہیں اُن کی ادائیگی کریں۔ جو واجبات چھوڑے اُن کی ادائیگی کریں۔ جو مظالم کیے اُن کی تلافی کریں۔ کسی کی حق تلفی کی اُس کو واپس حق لوٹائیں۔ یہ پوری تفصیلات ہیں یعنی توبہ کریں اور پھر اصلاح کرلیں یعنی عملاً اپنی اصلاح کر لیں اور آگے عجب لفظ قرآن نے استعمال کیا ہے وَبَيَّنُوْا اور اسطرح اصلاح کریں کہ اُن کے عمل سے اب حق ظاہر ہو جائے اور اُن کے عمل سے ثابت ہو جائے کہ یہ سنور گئے ہیں۔ غلط راہ کو چھوڑ گئے ہیں۔ اپنے عقیدے میں، اپنی فکر میں ، اپنے عمل میں اپنے حال میں ، اپنے قال میں وَبَيَّنُوْا تین لفظ ہیں اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْ توبہ کر لیں یعنی پلٹ جائیں واپس نیکی کی طرف ، حق کی طرف اللہ کی طرف ، وَاَصْلَحُوْا اور اپنے اعمال کی اصلاح کرلیں اور دوبارہ وہ کام نہ کریں۔ وَ بَيَّنُوْا اور اصلاح اس طرح کریں کہ اصلاح پر جم جائیں کہ اُن کے عمل اور کردار سے ظاہر ہو جائے کہ یہ اب حق پر آگئے ہیں۔

حمد باری تعالیٰ

ہے کائنات اُس کا حسین پرتوِ جمال
خالق ہے دو جہاں کا وہ معبودِ لایزال

اِک حرفِ کُن سے جس کے ہو تخلیقِ عالمیں
کیسے ہو اُس کی قدرتِ کامل کا اِمتثال

وہ ہے بدیعِ ارض و سماوات و شش جہات
صنعت اسی کی گلشنِ ہستی کے خدوخال

اُس بادشہ کی سلطنتِ اختیار سے
ہونا بروں کسی کا ہے نہ ممکن و محال

روزی رساں ہے ہرکس و ناکس کا وہ الٰہ
ہر اِک کو پالتا ہے وہی ربِ ذوالجلال

دستِ کرم سے اُس کو اٹھاتا ہے وہ کریم
کرتی ہے جس کو گردشِ افلاک پائمال

یارب ہو تیری ذات میں مجھ کو فنا نصیب
باقی رہے نہ معرفتِ فرقت و وصال

ہے گرچہ معصیت مری بے حد و بے شمار
اِس کو محیط ہیں ترے الطافِ باکمال

ہو نزع دم سجا لبِ ارشدؔ پہ تیرا نام
تیری صدائیں ساتھ رہیں بعدِ اِنتقال

{حکیم ارشد محمود ارشدؔ}

ادائیگی نماز کی عقلی توجیہات

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ (طه، 20: 14)

”اور نماز کو میرے ذکر کے لیے قائم کرو۔“

نماز اللہ کی یاد کے لیے ہے اور اس نماز کو باری تعالیٰ نے دین کا ستون بنایا ہے۔ نماز کو اپنی ذات میں قائم کرنا درحقیقت دین کی عملی تعلیمات کا ثبوت فراہم کرنا ہے۔ یہ نماز ایمان کا نور ہے اور یہ انسانی سینوں اور دلوں کے لیے شفا ہے اور یہ نماز اللہ کی بہترین حمد و ثنا ہے اور اس کی نعمتوں کا واضح اعتراف ہے اور عملِ صلاۃ سراسر شکرانہ نعمتِ ایزدی ہے۔ جملہ عبادات کی اصل یہ نماز ہے اور یہ نماز اپنے نمازی کو بے حیائی اور فحش چیزوں سے بچاتی ہے اور اس کو رزق کی تلاش پر آمادہ کرتی ہے۔ یہ ہمارے انسانی نفس کے سامنے گناہ کے وقت ڈھال بن جاتی ہے اور انسانی نفس کو گناہوں سے بچاتی ہے۔ نفس اپنے فطرتی رجحان میں برائی کی طرف میلان رکھتا ہے مگر نماز اس کے فطرتی رجحان کو نیکی و خیر کی طرف مائل کرتی ہے۔ ایک دن اور رات میں بندہ لازمی طور پر خود کو پانچ وقت کے لیے اللہ کے حضور لے کر جاتا ہے وہ بندہ بارگاہ خداوندی کے آداب کو بجالاتے ہوئے خود کو پیکر خشوع و خضوع بناتا ہے اور اپنے نفس کی خواہشات کو اپنے قدموں کے نیچے ڈال دیتا ہے اور خود کو احکامات الٰہیہ کا پیکرِ مجسم بناتا ہے ا

ور خود کو ہمہ تن اپنے معبود حقیقی کی طرف راغب کر لیتا ہے۔ ایک نمازی شخص اپنے نامہ اعمال میں سے گناہ صغیرہ کو دور کرتا ہے جب وہ پانچ وقت کے لیے نماز میں حاضری کے لیے اللہ کے حضور آتا ہے تو وہ عالم محسوس میں اپنے سر سے گناہوں کا بوجھ اتارتا ہے۔ کبھی وہ اپنے گناہوں کو رکوع کی صورت میں اپنے سر سے اتارتا ہے کبھی سجدہ اور قعدہ کی صورت میں اپنے صغیرہ گناہوں کو سر سے نیچے گراتا ہے۔

نماز اپنے نمازی کے دل میں اطمینان پیدا کرتی ہے اور یہی قرآن کا بیان ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ۔ (الرعد، 13: 28)

”جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔“

نماز کا عمل مصائب و مشکلات میں انسان کے اندر جزع اور فزع کی کیفیات پیدا نہیں کرتا بلکہ نماز ہر گھبراہٹ اور ہر خوف سے انسان کو نجات دیتی ہے۔ نماز انسان کے اندر بہت بڑا عمل صبر و تحمل پیدا کرتی ہے۔ یہ صبر و تحمل اعمال و اخلاق میں سے سب سے اعلیٰ عمل اور سب سے بہترین خلق ہے جو نماز کے باعث باری تعالیٰ ایک نمازی کو عطا کرتا ہے۔ نماز کا عمل در حقیقت ایک ایسے بڑے سخی کی بارگاہ میں آنا ہے جس کی شان عطا ہی عطا ہے۔ نماز انسان کو حرص و لالچ سے بچاتی ہے اور اس کو ہر قسم کے خوف و خدشات سے محفوظ کرتی ہے اور انسان کو دوسروں کے لیے سراپا خیر بناتی ہے مگر یہ اثرات اس وقت ایک نمازی کے وجود میں پیدا ہوتے ہیں جب وہ اللہ کی مخلوق کے لیے سراسر نفع رساں بن جائے۔

گویا نمازی وہ ہے جس میں کسی قسم کی ھلوعاً حرص و لالچ نہ ہو جس میں کسی قسم کی گھبراہٹ جزوعاً نہ ہو اور نمازی وہ انسان ہے جس میں دوسروں کے لیے خیر ہی خیر ہو۔ ہمدردی ہی ہمدردی ہو، جس میں منوعاً دوسروں کو بھلائی سے روکنے کی کوئی صورت نہ ہو پھر جا کر وہ مصلین میں شمار ہوگا۔ نماز کا عمل انسان سے حرص و لالچ، گھبراہٹ و پریشانی اور بخل و کنجوسی کا خاتمہ کرتا ہے۔

اس لیے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا۔ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا۔ وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا۔ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ۔ (المعارج، 70: 19-22)

”بے شک انسان بے صبر اور بہت لالچی پیدا ہوا ہے۔ جب اسے پہنچتی ہے تو سخت گھبرا جاتا ہے۔ اور جب اسے دولت ملتی ہے تو بخل کرتا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو نماز قائم کرنے والے ہیں۔“

اس آیہ کریمہ نے الا المصلین کہہ کر نمازی انسان کو ھلوعاً بے صبری لالچ اور جزوعاً گھبراہٹ اور منوعاً بخل سے استثنیٰ عطا کر دیا ہے۔ گویا ہر انسان اپنی خلقت میں کچھ رذائل لے کر آتا ہے جب انسان نماز کا عمل شروع کرتا ہے تو باری تعالیٰ اس انسان کے اندر انسانی قدروں کو صیقل کرتا ہے اور اس کو مختلف

رذائل اور متنوع زلزال سے بچا لیتا ہے۔ اس لیے بندگان خدا نماز کو اللہ کی یاد کے لیے قائم کرتے ہیں اور اللہ کی یاد کی تازگی کے لیے اسے ادا کرتے ہیں۔ ان کی نماز کا مقصد ذکر الٰہی ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِیۡ۔ (طه، 20: 14)

”نماز کو میرے ذکر یاد کے لے قائم کرو۔“

یاد مولا کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنی زبان کے اعمال سے غافل نہ ہو بلکہ وہ اپنے جسم کے سارے اعمال سے بھی لاتعلق نہ ہو، ہر وہ چیز جو اس کو اس کے مولا سے دور کر دے اور لاتعلق کر دے اور اس کے ذکر سے اُسے محروم کر دے اور اس سے اس کے ناطے کو کمزور کر دے، وہ شے غفلت میں ڈالنے والی ہے۔ اس لیے بندہ وہ ہے جو جہاں ہو اپنے مولا کو بھی وہیں محسوس کرے کہ

فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ۔ (البقرہ، 2: 115)

”جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے (ہر سمت اللہ کی ذات جلوہ گر ہے)۔“

اس کا پیکر مجسم ہو۔ اس کا کاروبار ہو یا اس کا دفتر ہو، وہ اپنے عمل کے ذریعے اپنے مولا کو یاد کرنے والا ہو۔ اگر اس کا عمل، اس کا خلق، اس کا رویہ، اس کا انداز، اس کا اسلوبِ حیات مولا کے احکام کے مطابق ہے تو وہ اللہ کا ذاکر ہے اور اگر اس کے اعمال، اخلاق اور کردار میں اسلامی تعلیمات کی آئینہ داری نہیں ہے تو وہ بندہ غافل بندوں میں سے ہے۔ اس لیے ایسے بندوں کو متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡغٰفِلِيۡنَ۔ (الاعراف، 7: 205)

”اور یاد الٰہی سے غافل ہو جانے والے بندوں میں سے نہ ہو جاؤ۔“

غفلت کا خاتمہ یاد الٰہی سے ہے، یاد فقط زبان سے ہی نہ ہو بلکہ اعمال اور اخلاق سے بھی ہو۔ جب بندہ یہ جامع ذکر کرتا ہے تو وہ ذاکر بارگاہ خداوندی ٹھہرتا ہے وہ زمین پر پھرتا ہے مگر صفات بندگی سے آراستہ ہوتا ہے اور صفاتِ اولیائی سے مملو ہوتا ہے۔ ایسا بندہ پھر فقط ذاکر فی الصلوۃ نہیں رہتا بلکہ وہ ذاکر فی کل الاحوال ہو جاتا ہے۔ یہ بندہ ذاکر سے اللہ کی بارگاہ میں مذکور ہو جاتا ہے۔ یوں یہی ذکر اس بندے کو اللہ کی بارگاہ کا شاکر بنا دیتا ہے اور اس کی نعمتوں کو پانے کا اعزاز انعمت علیہم کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ نماز ذکر الٰہی کا یہ راز اور اعزاز اس آیہ کریمہ کے ذریعے اپنے عمل صلاۃ اپنانے والوں کو بتاتی ہے۔

فَاذۡكُرُوۡنِیۡۤ اَذۡكُرۡكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِیۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ۔ (البقرہ، 2: 152)

”سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کیا کرو اور میری ناشکری نہ کیا کرو۔“

اس لیے باری تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا:

وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ۔ (البقرہ، 2: 43)

”اور نماز قائم کرو۔“

اب اس نماز کو باری تعالیٰ نے قائم کرنے کے مختلف اوقات مختص کر دیئے ہیں تاکہ ذکر کثیر کا عمل جاری رہے اور عدم ذکر انسان پر غفلت کے حجابات مسلط نہ کرے، نماز در حقیقت ذکر الٰہی ہے اور ذکر الٰہی تسلسل اور کثرت چاہتا ہے۔ مخصوص اوقات میں اس لیے نماز کو مقرر کر دیا تاکہ انسان کا سارا دن یادالٰہی سے معمور رہے۔اس لیے فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا۔(النساء، 4: 103)

”بے شک نماز مومنوں پر اپنے مقررہ اوقات پر فرض کی گئی ہے۔“

اب ان اوقاتِ مقررہ کی تفصیلات بھی قرآن حکیم نے بیان کر دی ہیں نماز کے وہ مقررہ اوقات کتاباً موقوتاً گیا ہیں، اس حقیقت کو بھی قرآن کی مختلف آیات میں بیان کر دیا ہے۔ارشاد فرمایا:

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ۔(ھود، 11: 114)

”اور نماز دن کے دونوں سروں اور کچھ رات کے حصوں میں قائم کریں۔“

اس آیہ کریمہ میں طرفی النھار میں تین نمازیں فجر، ظہر اور عصر شامل ہیں جبکہ زلفاً من اللیل میں مغرب اور عشاء کی نماز داخل ہے۔ کبھی ان اوقات صلوٰۃ کو قرآن لدلوک الشمس اور الی غسق اللیل کی صورت میں بیان کرتا ہے اور کبھی فجر کے لیے صراحۃً و قرآن الفجر (الاسراء، 78) کا اسلوب اختیار کرتا ہے۔ کبھی ان ہی نمازوں کے لیے حین تمسون اور حین تصبحون اور حین تظھرون۔ (الروم، 17، 18) سے ان اوقات صلوٰۃ کو بیان کرتا ہے۔ان سب اوقات صلوٰۃ کے تعین کا مقصد یہ ہے کہ بندہ اقم الصلوۃ کا عمل ہر گز نہ چھوڑے بلکہ صلوٰۃ مکتوبہ کو ہر حال میں قائم کرے کبھی قرآن نے کہا وسبح بحمد ربك (طٰہٰ، 20: 130) کا عمل بھی نماز میں قائم کرتے رہو۔

اللہ کی تسبیح اور اللہ کے ذکر کو خصلتِ دوام کے ساتھ اپناتے رہو، اگر ہم فرضیت نماز کی حقیقت میں ڈوب جائیں اور اس میں غور و فکر کریں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نماز فرض کرنے کا مقصد صرف ذکر الٰہی کا قیام ہے اور اس کے ذریعے شکرانِ نعمت کا عمل اختیار کرنا ہے۔ باری تعالیٰ نے سب سے بڑا احسان ہم پر یہ کیا ہے کہ اس نے ہم سب کو اعلیٰ ترین صورت پر پیدا کیا ہے۔اس لیے ارشاد فرمایا:

وَصَوَّرَكُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَكُمۡ۔(غافر، 40: 64)

”اس خدا نے تمہاری صورتیں بنائی ہیں اور اس نے تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا ہے۔“

باری تعالیٰ نے انسانی صورت کو احسنِ تقویم کا حامل بنایا ہے۔

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ۔(التین، 95: 4)

”بے شک ہم نے انسان کو عقل و شکل کے اعتبار سے بہترین اعتدال پر پیدا کیا ہے۔“

اب اس حقیقت میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ باری تعالیٰ کی ساری مخلوقات ایک طرف اور خلق انسان دوسری طرف مگر باری تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات سے اشرف الخلق بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی انسان حالت عقل و خرد میں کسی بھی مخلوق کو دیکھ کر یہ خواہش نہیں کرتا کہ کاش میں اس مخلوق جیسا ہوتا انسان کی صورت اور سیرت اتنی عظیم نعمت بھی تمام انسانوں اور تمام تر انسانی وجود کے حاملین سے تقاضا کرتی ہے کہ ان امتیازی اور خصوصی انعاماتِ خداوندی پر اس کی ذات کا شکر ادا کیا جائے اور شکر کی اعلیٰ ترین صورت بندے کے لیے نماز ہی نماز ہے۔ اس لیے نماز پڑھنا اپنے وجود کی نعمتوں پر اللہ کے حضور سجدہ شکر بجالانا ہے۔ گویا نماز شکرانِ نعمت کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔ یہ انسان فاحسن صورکم اور فی احسن تقویم کی متشکل عظیم نعمت ہی تو ہے جس کے باعث باری تعالیٰ نے اسے تمام مخلوقات سے اعلیٰ اور افضل بنایا ہے۔

باری تعالیٰ نے یہ خوبصورت اعضاء جسد انسان کو بغیر کسی استحقاق کے محض اپنے فضل و کرم سے عطا کر دیئے ہیں۔ ان خوبصورت اعضاء کی عطا پر بھی انسان پر اللہ کا شکر ادا کرنا بصورتِ نماز لازم ہے تاکہ ان اعضاء کو منعم کے حکم کی اطاعت میں استعمال میں لایا جائے اور یوں ان اعضاء کی طرف سے بھی شکرانِ نعمت کا فعل صادر ہو۔ انسان ان اعضاء کو کبھی حالتِ قیام میں کبھی حالتِ رکوع میں، کبھی حالتِ سجدہ میں اور کبھی حالتِ قعدہ میں جیسے چاہتا ہے استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح انسان کے باطنی اعضاء ہیں وہ بھی مصروفِ عبادت ہوتے ہیں دل سے انسان نیتِ نماز کرتا ہے اور اس دل پر خوف و رجاء کی کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ انسانی عقل اللہ کے حضور تعظیم و احترام بجالاتی ہے یوں نماز میں ہر ہر عضو اپنے منعمِ حقیقی اور اپنے معبودِ حقیقی کا شکر ادا کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ علی احمد الجرجاوی، حکمۃ التشریع ولفسفتہ، مترجم ذوالفقار احمد، زاویہ پبلشرز، ص 129)

انسان نماز میں ہاتھ باندھ کر بڑے ادب کے ساتھ قیام کرتا ہے۔ یہ عمل در حقیقت انسان کی طبعی اور فطرتی عادت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جب وہ اپنے سے بلند مقام و منصب کے حامل شخص کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ سارے آداب بجالاتا ہے اور اس شخصیت کے ادب سے تجاوز نہیں کرتا، انسان کی یہ حالت عام مخلوق کے ساتھ ہے اور وہ ذات بلند و بالا جو مالک اعظم اور خالق عظیم ہے جب انسان اس کے سامنے قیام کرے تو اس کے خشوع و خضوع اور ادب و احترام کا عالم کیا ہو گا۔ وہ اپنے وجود کو سر سے پاؤں تک سراپا ادب بنادے گا اور تعظیم و احترام کی انتہائی حد کر دے گا اور اپنے عقل و دل کی ساری کائنات کو اس کے حضور پیش کر دے گا تاکہ اس کا ادب اس کی ذات کے شایانِ شان ہو جائے۔

پس انسان اس تصور کے ساتھ اس کے حضور ہاتھ باندھے قیام کرتا ہے پھر اپنے ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھتا ہے بائیں ہاتھ کو نیچے اور دائیں ہاتھ کو اس کے اوپر رکھتا ہے۔ بایاں ہاتھ عالم اسفلی کی نمائندگی کرتا ہے اور دایاں ہاتھ عالم علوی کی نمائندگی کرتا ہے۔ عالم اسفل اور عالم بالا کا نمائندہ بن کر انسان اللہ کے حضور حاضر ہو جاتا ہے۔ پھر انسان رکوع میں اپنی گردن اور اپنا سر جھکا دیتا ہے۔ گردن انسان کی صفتِ کمال اور اس کے عجب اور خود پسندی کو ظاہر کرتی ہے۔ انسان اپنے مولا کے حضور اسے جھکا دیتا ہے اور انتہائی خشوع و خضوع کا اظہار کرتا ہے۔

اس عمل کے ذریعے اللہ کی بارگاہ کا بے حد احترام بجا لاتا ہے اور اعتراف کرتا ہے کہ وہی ذات اس امر کی مستحق ہے کہ اسی کے حضور انسان کا سر جھکے اور اسی کے حضور انسان کی گردن عاجزی کا اظہار کرے۔ اس کے بعد حالت سجدہ میں انسان اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیتا ہے۔ بلاشبہ انسانی اعضا میں سے سب سے زیادہ باعث عزت و احترام یہی چہرہ ہی ہے۔ جب انسان اپنے چہرے کو زمین پر رکھتا ہے تو یہ عمل اپنے رب کے حضور انتہائی عاجزی اور انکساری کا ہے اور مقام بندگی کا کمال مقام سجدہ میں ہے۔ ایک بندے مومن کے لیے یہی سجدہ ہی سب سے بڑی عزت کا باعث ہے۔ سجدہ میں انسان اپنا مقام تکریم پیشانی اور اپنی ناک اور اپنے چہرے اور اپنے سر کو اللہ کے حضور سب سے اسفل اور سب سے آفس چیز مٹی پر رکھ دیتا ہے تاکہ مقام بندگی کا عجز و انکسار، تعظیم و تکریم، ادب و احترام، عبادت و ریاضت میں حق ادا ہو جائے۔ قرآن نے کہا یہ سجدہ بندے کا رب کے ساتھ مقامِ قربت کی انتہا ہے یہ سجدہ ہی انسان کو اپنے مولا کے سب سے زیادہ قریب کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے انسان سجدے میں رب کی ساری خدائی اور ساری ربوبیت کو اپنی طرف منسوب کر کے یوں کہتا ہے۔

سبحان ربی الاعلی، سبحان ربی الاعلی

اس کے بعد انسان حالت تشہد میں بیٹھتا ہے تو اب وہ رب کی قربت کو معرفت میں بدلنا چاہتا ہے اس مقصد کے لیے اس ذات پر درود و سلام بھیجتا ہے جس کو سب انسانوں سے زیادہ معزز اور سب انبیاء کا سردار بنا کر اور آپ کو خلعتِ سید المرسل اور تاج خاتم النبیین پہنا کر اپنی معرفت کے جام پلائے ہیں۔ ایک نمازی، حالت نماز میں بھی رسول اللہ ﷺ کی ان ساری صفات کا اعتراف کرتا ہے اور آپ کی بارگاہ میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کرتا ہے تو باری تعالیٰ اس کی نماز کو قبول کرتا ہے۔ اس لیے وہ یوں کہتا ہے:

السلام علیك ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

مزید آگے بڑھتے ہوئے:

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید۔ اللھم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بھی اس لیے کرتا ہے کہ رسول ﷺ کی بعثت اور اس امت کی آپ کے ساتھ نسبت دعائے ابراہیمی کا نتیجہ و ثمر ہے جو انہوں نے تعمیر کعبہ کے وقت مانگی تھی، اب باری تعالیٰ اپنے محبوب اور اپنے خلیل کے واسطوں کے ساتھ مانگی ہوئی دعا کو قبول کرتا ہے اور یہ دعا نماز کی قبولیت کی اور نماز کی تکمیل کی نوید ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ نمازی اپنے دائیں اور بائیں فرشتوں اور اہل ایمان کو سلام کرتے ہوئے اپنی نماز کو اختتام کی طرف لے کر آتا ہے اور یوں یہ نماز اس کو منزلِ عالی فاذکرونی اذکرکم (البقرہ، 2: 152) پر فائز کر دیتی ہے۔

آج کی جدید دنیا میں انسان کے پاس اپنی صحت اور جسمانی ورزش کے لیے بھی ٹائم نہیں ہے۔ اگرچہ اس نے اپنے جسم کو اپنے کام کاج میں بہت زیادہ مصروف کر لیا ہے مگر اس کے پاس جسم کو تندرست، صحت مند اور توانا و چست رکھنے کے لیے وقت کی بہت قلت ہے۔ ایسی صورت حال میں پانچ وقت کی نماز کی اہمیت جسمانی ورزش اور طبّی فوائد کے تناظر میں مزید بڑھ جاتی ہے۔ یہ نماز کا عمل انسان کے لیے ایک ہلکی پھلکی ورزش ہے اور یہ ایسی جسمانی ورزش ہے جو ایک انسان دن میں پانچ مرتبہ کرتا ہے اس میں تسلسل ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ فائدہ میسر آتا ہے۔ اس لیے فزیو تھراپی کے ماہرین کہتے ہیں اس ورزش کا کوئی فائدہ نہیں جس میں تسلسل نہ ہو یا اتنی زیادہ کی جائے کہ جسم ہی تھک جائے۔

باری تعالیٰ نے اپنے حکم کو بھی انسانی منفعت میں ڈھالتے ہوئے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ نماز ایک ایسا عمل عبادت ہے جس میں ورزش اور فزیو تھراپی کی تمام صورتیں اعلیٰ انداز میں پائی جاتی ہیں۔ اس لیے باری تعالیٰ نے ایک مومن اور ایک منافق کی نماز میں یہی فرق بیان کیا ہے کہ مومن کی نماز نشاط و چستی اور تروتازگی اور بھرپور توانائی کے ساتھ ہوتی ہے جبکہ ایک منافق کی نماز سراسر سستی و کاہلی کی نماز ہوتی ہے۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی۔ (النساء، 4: 142)

”جب وہ منافق نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔“

نماز تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ ڈھیلے ڈھالے طریقے سے نماز کا نہ کوئی شرعی روحانی فائدہ ہے اور نہ ہی طبّی و جسمانی جب انسان صحیح طور پر تعدیل ارکان کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو نماز کی ادائیگی کا یہی طریقہ کار انسان کے کولیسٹرول لیول کو معتدل اور متوازن رکھتا ہے اور یہی طریقہ صلاۃ

انسان کے لیے شفا بن جاتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے امت کے ہر چھوٹے اور بڑے شخص کو نماز کے عملی قیام کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

فان فی الصلاۃ شفاءً۔ (احمد بن حنبل، المسند، 2: 390)

”بے شک نماز میں شفاء ہے۔“

جدید سائنسی تحقیق کے مطابق کولیسٹرول وہ چربی ہے جو ہماری شریانوں میں جم جاتی ہے اور رفتہ رفتہ ہماری شریانوں کو تنگ کر دیتی ہے۔ اس کے نتیجے میں بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے۔ امراض قلب میں اضافہ ہو جاتا ہے اور فالج کا حملہ ہونے لگتا ہے۔ یہ ساری بیماریاں ورزش نہ کرنے کی وجہ سے لاحق ہوتی ہیں جو شخص پابندی سے نماز پڑھتا رہے وہ ان امراض سے محفوظ رہتا ہے اور یہ نماز کا عمل ایک نمازی کو روزانہ پانچ مرتبہ ہلکی پھلکی ورزش سے گزارتا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد ہمارے کولیسٹرول کی مقدار بڑھ جاتی ہے اس کو تحلیل کرنے کا ایک فطرتی اور سادہ طریقہ یہی ہے کہ انسان خود کو نماز پنجگانہ کے عمل میں مصروف کر لے۔ جن اوقات میں انسان عموماً کھانا کھاتا ہے ان نمازوں کی تعدادِ رکعت زیادہ رکھی گئی ہے جیسے ظہر اور عشاء کی نماز ہے۔ اسی طرح رمضان المبارک میں بھرپور افطاری کی وجہ سے صلوٰۃ عشاء کے ساتھ مزید 20 رکعتوں کا اضافہ کر دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کولیسٹرول کی مقدار اور لیول کو معتدل رکھنے کے لیے نماز میں پابندی کی امت کو ہدایت عطا کر دی تھی اور یہی وہ حقیقت ہے جس کو آج چودہ سو سال کے بعد سائنس پا رہی ہے جبکہ اس حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے امت پر یوں منکشف کیا تھا۔ ارشاد فرمایا:

اذیبو طعامکم بذکر اللہ والصلاۃ۔ (طبرانی، المعجم الاوسط، 5: 500، رقم الحدیث 4949)

”اپنی خوراک (کے کولیسٹرول) کو اللہ کی یاد اور نماز کی ادائیگی سے حل کرو۔“

اگر اس حدیث مبارکہ کے مطابق ہم پنجگانہ نماز کے عمل کو اختیار کر لیں تو ہم عمل صلاۃ کے ذریعے اپنے جسم کے ہر عضو کو ہلکی پھلکی ورزش سے گزار سکتے ہیں یوں اس احسن طریق سے ہم جسم کو تمام امراض سے محفوظ اور صحت مند بنا سکتے ہیں۔ جب ایک نمازی حالت نماز میں اپنے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھاتا ہے تو اس عمل کے ذریعے اس کے بازوؤں، گردن اور شانوں کے پٹھوں کی ورزش ہوتی ہے۔ دل کے امراض میں مبتلا لوگوں کے لیے یہ ورزش اور یہ عمل انتہائی مفید ہے اور اس عمل سے فالج کا خطرہ بھی ٹل جاتا ہے اور نماز میں قیام کرنے سے بھی دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

یوں انسان کا وزن دونوں پاؤں پر یکساں پڑتا ہے آنکھیں سجدہ کی جگہ لگی رہنے سے دل بھی یکسو ہو جاتا ہے اور خون کی روانی بھی بآسانی ہونے لگتی ہے۔ رکوع کا عمل کرنے سے بالائی نصف جسم جھکتا ہے جس کی وجہ سے خون کی پمپنگ Pumping زیادہ ہو جاتی ہے۔ رکوع کے ذریعے پنڈلیوں، ریڑھ کی ہڈی، ناف اور گردن کے عضلات کو فائدہ پہنچتا ہے اور اعصابی تناؤ سے ان کو قوت حاصل ہوتی ہے اور اندرونی سطح پر پیٹ کے عضلات پر دباؤ بڑھتا ہے اور یوں انسانی جگر، آنتوں، گردوں اور مثانے کی مالش ہوتی ہے جس سے ان اعضا کو تسکین و فرحت ملتی ہے اور رکوع کے عمل سے معدے اور آنتوں کی خرابیاں دور ہوتی ہیں اور پیٹ کے عضلات کا ڈھیلا پن ختم ہو جاتا ہے، رکوع سے حرام مغز کی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے اور جن لوگوں کے اعضا سن ہو جاتے ہیں وہ رکوع کے ذریعے اس تکلیف سے نجات پانے لگتے ہیں اور اس رکوع سے کمر درد کے مریض بھی جلد صحت یاب ہونے لگتے ہیں اور رکوع کے ذریعے گردوں میں پتھری بننے کا عمل سست پڑ جاتا ہے اور حتی کہ پتھری جلدی جسم سے نکل جاتی ہے۔ رکوع سے ٹانگوں کی بیماریوں اور فالج کے مریض جلد چلنے پھرنے لگتے ہیں۔

رکوع کے ذریعے آنکھوں کی نسوں میں دوران خون کا بہاؤ تیز ہو جاتا ہے اور یوں دماغ و نگاہ کی کارکردگی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ حالت رکوع میں جب ایک نمازی اپنے گھٹنوں کو پکڑتا ہے تو اس کی ہتھیلیوں اور انگلیوں میں پیدا ہونے والی بجلی نماز قوت گھٹنوں میں جذب ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے گھٹنوں کا صحت مند لعاب برقرار رہتا ہے اور ایسے لوگ گھٹنوں اور جوڑوں کے درد سے محفوظ رہتے ہیں۔ رکوع کرنے سے چہرے اور سر کا دورانِ خون نارمل ہو جاتا ہے جس سے شریانوں میں لچک کی استعداد بڑھنے سے ہائی بلڈ پریشر اور فالج کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح ہم نماز میں سجدہ کرتے ہیں اس کا دورانیہ اگرچہ چند سیکنڈ ہوتا ہے لیکن نمازی جب سجدہ کرتا ہے تو اس کے

دماغ کی شریانوں کی جانب خون کا بہاؤ زیادہ ہو جاتا ہے اور حالت سجدہ میں ہی انسان کے دماغ، اعصاب، آنکھوں، سر اور دیگر اعضائے جسم کی طرف خون کی ترسیل متوازن ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے دماغ اور نگاہ کی کارکردگی بڑھ جاتی ہے۔ سجدے کے دوران خون اور زمین کی کشش کا اضافہ دباؤ ہاتھوں، پیشانی، چہرے، سینے اور دل کی طرف بڑھ جاتا ہے اور سجدے سے اٹھتے ہی صرف چند سیکنڈ میں یہ دباؤ نارمل ہو جاتا ہے۔ اس طرح حالت سجدہ میں ہی پیشانی کو دو سے تین منٹ تک دبایا جائے تو اس سے ذہنی انتشار کا خاتمہ ہو جاتا ہے سجدے میں ٹانگوں اور رانوں کے پچھلے عضلات کھنچے ہوئے ہوتے ہیں اور حالت سجدہ میں انسان کی کمر اور پیٹ کے عضلات کی بھی بہترین ورزش ہوتی ہے اور اس

سجدے کے عمل کے ذریعے ریڑھ کی ہڈی مضبوط اور لچک دار ہو جاتی ہے اور اندرونی اعصاب تقویت پاتے ہیں۔ یوں سجدہ جہاں انسان کی جسمانی قوتوں کو طاقت دیتا ہے وہاں روحانی طور پر بندے کو اللہ کے بہت زیادہ قریب کرتا ہے۔

خلاصہ کلام

صلوٰۃ کا لغوی معنی دعا کرنا ہے اور نماز پڑھنا ہے جبکہ شرعی مفہوم یہ ہے کہ ایک مخصوص طریقے سے اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے انجام دی جانے والی عبادت کا نام نماز ہے جو مخصوص اور معلوم افعال اور اقوال پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کا آغاز تکبیر تحریمہ سے ہوتا ہے اور اختتام سلام پھیرنے سے ہوتا ہے۔ اس عبادت کو صلاۃ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دعا پر مشتمل ہوتی ہے۔ عربی زبان میں صلاۃ ہر قسم کی دعا کے لیے بولا جاتا ہے۔ بعد ازاں یہ لفظ مخصوص شرعی عبادت نماز کے لیے مختص ہوگیا ہے۔ اس دعا میں بندہ اپنے رب سے بزبان قال اپنی حاجات اور اپنی ضروریات کا سوال کرتا ہے۔ کوئی سوال اس کا صرف اور صرف نفع و فائدے کے لیے ہوتا ہے اور کوئی سوال صرف نقصان و خسران سے بچنے کے لیے ہوتا ہے اور کوئی سوال اللہ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اجر و ثواب کے لیے ہوتا ہے اور کوئی سوال فقط ہدایت طلبی کے لیے ہوتا ہے۔ کوئی سوال نعمتوں کی طلب و تمنا کے لیے ہوتا ہے کوئی سوال ضلالت و گمراہی سے بچنے کے لیے ہوتا ہے، کوئی التجا اللہ کے غضب سے پناہ مانگنے کی ہوتی ہے۔ باری تعالیٰ اپنے تمام بندوں سے مطالبہ صلوۃ کرتا ہے اور ان کو واقیموا الصلوۃ کا پابند بناتا ہے۔ کبھی تمام اہل ایمان کو مخاطب کرکے فریضہ نماز کا اعلان یوں کرتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ (النساء، 3: 103)

”بے شک نماز مومنوں پر مقررہ وقت کے حساب سے فرض ہے۔“

کبھی سب بندوں کو اپنی عبادت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ نمازوں کو پابندی سے ادا کیا کرو اور ان کی ادائیگی کی محافظت کیا کرو۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ۔ (البقرہ، 2: 238)

”سب نمازوں کی محافظت کیا کرو۔“

کبھی بلا استثنا سب بندوں کو اپنی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کی طرف یوں متوجہ کرتا ہے:

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۔ (البقرہ، 2: 238)

”اللہ کے سامنے ادب اور فرماں بردار بن کر کھڑے ہوا کرو۔“

کبھی قرآن پیروی رسالت میں ہر مسلمان و مومن کو حکم قیام صلاۃ کا یوں دیتا ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ۔(العنکبوت، 29: 45)

”نماز قائم کرو۔“

کبھی قرآن حکم عبادت میں تاکید پیدا کرتے ہوئے یوں متوجہ کرتا ہے:

اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَآئَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔(البینۃ، 98: 5)

”اور انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا وہ اللہ کی عبادت کریں کہ اللہ کی بندگی کو یکسو ہو کر صرف اسی کے لیے خالص رکھیں۔“

اور کبھی باری تعالیٰ گھر کے سربراہ سے لے کر گھر کے ایک ایک فرد کو قیام صلوۃ کی طرف یوں متوجہ کرتا ہے:

وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا۔(طٰہٰ، 20: 132)

”اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہو۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث مبارکہ میں نماز کو اللہ کا بندے پر اللہ کا حق واجب قرار دیا ہے۔اس لیے فرمایا:

الصلوۃ حق واجب۔(مسند احمد بن حنبل، 1: 60)

”نماز اللہ کا حق ہے اور ہم پر فرض ہے۔“

کبھی ارشاد فرمایا:

صلوا خمسکم۔(ترمذی، السنن، کتاب الجمعہ، 2: 516، رقم الحدیث 616)

”پانچ وقت کی نماز ادا کرو۔“

کبھی ارشاد فرمایا:

خمس صلوات افترضھن اللہ تعالیٰ علی عبادہ۔(سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب فی المحافظہ علی وقت الصلاۃ، 1: 115، رقم الحدیث 425)

”پانچ نمازیں ہیں جن کو باری تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کر دیا ہے۔“

وہ نماز جس کا مقصد اللہ کی رضا اور خوشنودی ہو ایسی نماز کی وجہ سے گناہ درخت کے پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یرید بھا وجہ اللہ فتھافت عنہ ذنوبہ کما یتھافت ھذا الورق عن ھذہ الشجرۃ۔ (مسند احمد بن حنبل، 5: 179، رقم 21596)

”وہ نماز جس سے مقصود اللہ کی رضا ہوتی ہے اس کے باعث بندے سے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درخت سے پتے جھڑتے ہیں“۔

اور اسی طرح نماز کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا نماز ہی ایسا عمل عبادت ہے جس کے بارے میں قیامت کے روز سب سے پہلا سوال کیا جائے گا۔

مایحاسب بہ العبد الصلاۃ۔ (طبرانی، معجم الاوسط، 2: 240، رقم 1859)

”قیامت کے روز سب سے پہلا سوال بندے سے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا۔“

اس لیے فرمایا اپنی اولادوں کو سب سے پہلا عمل تربیت نماز کی صورت میں دو اور ارشاد فرمایا:

مروا اولادکم بالصلوۃ۔ (ترمذی، السنن، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء متی یومر الصبی بالصلاۃ، 20: 259، رقم 407)

”اپنی اولادوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو۔“

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

علموا الصبی الصلاۃ۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب متی یومر الغلام بالصلاۃ، 1: 133)

”اپنے سات سال کے بچوں کو نماز کی تعلیم دو۔“

یہ نماز اپنے اندر قد افلح (وہ فلاح پاگیا) اور قد انجح (وہ نجات پاگیا) کا پیغام رکھتی ہے۔ (سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، باب المحاسبۃ علی الصلاۃ، 1: 232، رقم 465)

وہ رب اپنے بندوں پر انتہائی مہربان ہوتے ہوئے پانچ وقت میں یاددہانی کے لیے ان کو نماز کی طرف بصورت اذان دعوت دیتا ہے اور ان کو اپنی یاد کے لیے بلاتا ہے حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح نماز کی طرف آؤ اور خیر و فلاح کی طرف آؤ۔ وہ رب ہو کر اور بے نیاز ہو کر لوگوں کو نہ صرف نماز کی طرف بلاتا ہے بلکہ اُن کو آگاہ بھی کرتا ہے کہ فلاح کا راستہ نماز ہی ہے اور اذان کی صورت میں نماز کا تعارف ہی یہ کرایا جارہا ہے کہ نماز درحقیقت فلاح ہی فلاح ہے اور نجات ہی نجات ہے۔ اس فلاح اور نجات کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات و تعلیمات ہمارے لیے مذکر (یاد کرانے والی) ہیں۔ اس لیے فرمایا:

فذکر انما انت مذکر۔

”آپ بار بار ان کو خیر و نصیحت کی طرف یاددہانی کراتے رہیے۔“

حق و نصیحت اور ہدایت و فلاح کی بات کہتے رہیے، آپ کی تعلیمات میں سے قرآن و سنت ہمارے لیے ہر لمحہ پیغام ہدایت سے بھرپور اور معمور ہیں اور صلاۃ جیسے عملِ فلاح کی طرف ہمیں متوجہ کرنے کے لیے پانچ وقت کی نماز سے قبل اذان کے عمل کو ہمارے لیے شروع کیا ہے۔ اذان شہادت توحید و رسالت کے بعد دعوت صلاۃ اور دعوت فلاح ہے۔ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کے کلمات جب ایک سلیم الفطرت شخص سنتا ہے تو وہ لبیک اللھم لبیک کہتا ہوا شریک صلوۃ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے ایاک نعبد وایاک نستعین ہی ہماری حیات کی کل حقیقت اور ہمارا وظیفہ حیات اقم الصلوۃ لذکری میری یاد کی خاطر عمل صلاۃ قائم کرو۔ ہماری نماز تمام تر عقلی و طبّی، سائنسی و علمی، معاشرتی و سماجی اور تہذیبی و تمدنی اور فکری و نظری فوائد کی حامل ہے۔ اگر یہ اپنے طریق ادائیگی میں رسول اللہ ﷺ کے اس منہج واسلوب کی حامل ہو جائے۔

ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانك يراك۔

"تو اللہ کی نماز و عبادت اس طرح ادا کر گویا تو اس کے حسن مطلق کی دید کر رہا ہے اگر یہ نہ ہو سکے تو یوں تصور دید بناؤ کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔"

نماز کے ذکر الٰہی ہونے کا یہی مفہوم کامل ہے۔ نماز کی سب سے بڑی حقیقت یہی ہے کہ عمل صلاۃ انسان کو اس کائنات کی حقیقت عظمیٰ کے حسن مطلق کی دید کے لیے سارے حجابات مرتفع کر دے اور ایک طالبِ مولا اور ایک بندہ حق کی یہی آرزو و تمنا صادق ہوتی ہے۔ جس کو لے کر وہ نماز میں آتا ہے اور اس کے حُسن مطلق کی دید کے لیے یوں التجا کرتا ہے:

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں

نماز کا یہ تصور جب مزید ذہن و دل میں راسخ ہوتا ہے تو انسان کے انگ انگ سے یہ صدا بلند ہوتی ہے اور وہ فنا فی اللہ کی قربتوں کو پانے کے لیے ماہی بے آب کی طرح یوں تڑپ تڑپ کر عالم ھو میں یہ آرزو اور تمنا کرتا ہے۔

اک میں ہوں فقط تو ہو اور عالمِ ھو ہو
اے حسنِ ازل سارے حجابات اٹھا دے

سادہ طرزِ زندگی کے فوائد

تحریر: ڈاکٹر فرح ناز

دینی تعلیمات کی روشنی میں سادگی کے تصور کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا انتہائی اہم ہے۔ سادگی کے تصور کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا دین کی اصل روح کے مطابق جینے کا ایک مؤثر طریقہ ہے۔ سادگی کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم اپنے لباس یا ظاہری شکل کو اس حد تک تبدیل کر لیں کہ وہ موجودہ نسل کے لیے غیر موزوں یا ناقابل قبول ہو جائے۔ اس کے برعکس سادگی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں اتنی اعتدال پسندی اختیار کریں کہ ہم اپنے معاشرتی اور ثقافتی ماحول سے ہم آہنگ رہیں۔ اس سے نہ صرف ہماری شخصیت میں نکھار آتا ہے، بلکہ دین کی تعلیمات کی حقیقی عکاسی بھی ہوتی ہے۔ سادگی کو اپنانے سے ہم معاشرتی ہم آہنگی کو فروغ دیتے ہیں اور دین کو صحیح انداز میں سمجھ کر ایک مضبوط، جائز اور قابل عمل راستہ اختیار کرتے ہیں، جو ہمارے اور معاشرتی ترقی کے لیے فائدہ مند ثابت ہوتا ہے۔

برصغیر پاک وہند میں مذہبی طبقات کے رہن سہن کا روایتی مذہبی تصور کہ دین اور دیندار بس غربت اور غریبی میں ہی رہے، نے سوسائٹی میں دین کی قبولیت میں رکاوٹ کھڑی کی ہے۔ اس روایتی تصور نے دین کو ہمارے خطے کے اہل ثروت لوگوں میں قابل قبول نہیں رہنے دیا۔ اس تصور نے دیندار کو اتنا احقر، غریب، کسم پرسی، معاشرے سے ہٹ کر کوئی اور مخلوق بنا

لیا ہے جس کے مطابق گویا دین سے متعلق لوگوں کو دنیا سے الگ تھلگ ہو کر محتاج اور دست نگر ہونا چاہیئے۔ جس کسی دینی شخصیت نے اگر اپنی صلاحتوں کی بنا پر جائز طریقے سے حلال مال کمایا، ہماری سوسائٹی اسکو کرپٹ مشہور کرنے کی ذمہ داری ادا کرنا اپنا اہم فریضہ سمجھتی ہے۔ یہ مشہور کرنا کہ یہ نذرانوں سے بنا یہ محبین اور عاشقین کے تحائف اور چندوں سے بنا اسلامی تعلیمات کے برعکس ہے۔ ہمارے ائمہ کرام میں سے امام اعظم امام ابو حنیفہ کے کاروبار سے سب واقف ہیں۔ بلکہ بہت سے ائمہ کے القابات ان کی علمی و تحقیقی کاوشوں کے بجائے ان کے کاروبار کی نسبت سے مشہور ہیں۔ عصر حاضر میں .Jاور دیگر برینڈ بھی اسی طرض مشہور ہیں۔ لہذا کسی مسلم دینی شخصیت کو محض دین کی خدمت کی بنا پر مورد الزام ٹھہرانا ہر گز معقول بات نہیں۔

حقیقی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں باوقار لباس اور عمدہ رہن سہن اختیار کرنا ہر گز سادگی کے تصور کے خلاف نہیں ہے۔ سورہ اعراف میں ارشاد باری تعالی ہے:

قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِينَةَ ٱللَّهِ ٱلَّتِيٓ أَخۡرَجَ لِعِبَادِهِۦ وَٱلطَّيِّبَٰتِ مِنَ ٱلرِّزۡقِۚ قُلۡ هِيَ لِلَّذِينَ ءَامَنُواْ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا خَالِصَةٗ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِۗ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ ٱلۡأٓيَٰتِ لِقَوۡمٖ يَعۡلَمُونَ۔ (آل عمران، 32/3)

” فرما دیجیے: اللہ کی اس زینت (و آرائش) کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمائی ہے اور کھانے کی پاک ستھری چیزوں کو (بھی کس نے حرام کیا ہے)؟ فرما دیجیے: یہ (سب نعمتیں جو) اہلِ ایمان کی دنیا کی زندگی میں (بالعموم روا) ہیں قیامت کے دن بالخصوص (انہی کے لیے) ہوں گی۔ اس طرح ہم جاننے والوں کے لیے آیتیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔“

اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی زینتوں اور نعمتوں کو حرام کرنا کوئی جائز بات نہیں۔ اللہ کی طرف سے ہر وہ چیز جو جائز ہو، اس کا استعمال کرنا انسان کی فطرت کے مطابق ہے۔ تاہم، اس کا استعمال اعتدال کے ساتھ ہونا چاہیے تاکہ دنیا کی لذتیں انسان کو اس حد تک نہ بہکا لیں کہ وہ اپنی آخرت اور دین کو نظرانداز کر دے۔

اللہ نے دنیا میں جو نعمتیں اور آرائشیں انسانوں کے لیے تخلیق کی ہیں، وہ دراصل ایمان والوں کے لیے ہیں۔ ان کے استعمال سے انسان کی زندگی میں خوبصورتی، رونق اور خوشبو آتی ہے، اچھا لباس، زیورات، خوشبو اور دیگر دنیوی راحتوں اور نعمتوں کا استعمال کسی صورت حرام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی حکمت سے انسانوں کے لیے پیدا کیا تاکہ وہ ان سے فائدہ اٹھا کر اپنی زندگی کو بہتر، خوشحال اور متوازن بنا سکیں۔

یہ حسین و جمیل چیزیں صرف دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لیے ہیں تاکہ وہ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر اپنی زندگی میں سکون، خوشی اور توازن پیدا کر سکیں۔ تاہم ان چیزوں کی محبت میں اس حد تک غرق نہ ہو جائیں کہ دنیا کی فانی آرائشوں کے پیچھے آخرت کی حقیقت اور اہمیت بھلا دیں۔دین کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہر چیز میں اعتدال اور توازن اختیار کرے، تاکہ وہ اللہ کی رضا کے مطابق زندگی گزارے۔

لہٰذالباس اور رہن سہن کی عمدگی کو حرام کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔یہ سب ایمان والوں کے لیے اللہ کی طرف سے ایک انعام ہیں، جنہیں ان کی فطرت کے مطابق استعمال کرنا چاہیے۔ان چیزوں کا صحیح اور معتدل استعمال انسان کی زندگی کو بہتر بناتا ہے اور اللہ کی رضا کی جانب رہنمائی کرتا ہے، بشرطیکہ ان کا استعمال تقدیر کے مطابق ہو، اور انسان کا دل اللہ کی طرف مائل رہے۔

اسلاف کی عمدہ رہن سہن اور قیمتی لباس

ہمارے اسلاف نے جن کے شب و روز خدمت دین میں گزرتے تھے جن کا اوڑھنا بچھونا قال اللہ و قال الرسول تھا اور رہتی دنیا تک جن کی تقلید واتباع ہوتی رہے گی وہ بھی عمدہ رہن سہن اپناتے اور اچھا لباس زیب تن کرتے تھے۔غربت اور کسمپرسی کی حالت کو دیندار سے منتھی کرنا کسی طرح بھی دینی تعلیمات کے مطابق نہیں ہے۔معاشرہ کے ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ رزق حلال کمائے اور اور ضروریات پر خرچ بھی کرے۔اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا اظہار بھی جائز ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔(الضحی،11/93)

”اور اپنے رب کی نعمتوں کا (خوب) تذکرہ کریں۔“

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يُحِبُّ أَنْ يَرَى أَثَرَ نِعْمَتِهِ عَلَى عَبْدِهِ.

(مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر:7759)

”اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنا پسند کرتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جو نعمت عطا کرے تو اسراف ومبالغہ کے بغیر اس کا اظہار جائز ہے۔شرط یہ ہے کہ مقصود اظہارِ نعمت اور شکر گزاری ہو نا کہ تکبر۔تاریخ اسلام میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ ہمارے اسلاف عبادت کے لئے عمدہ اور قیمتی لباس کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ آپ تو عمدہ کپڑے پہن لیتے تھے۔آپ نے چار ہزار درہم کا ایک مہنگا اور عمدہ لباس خرید کر رکھا ہوا تھا ۔ماہ رمضان المبارک کی جس رات لیلۃ القدر کا گمان ہوتا تو خصوصیّت کے ساتھ اسی لباس کو پہنتے اور پوری رات ذکر و عبادت میں گزار دیتے تھے۔(ابن ابی الدنیا، التھجدو قیام اللیل، ص372، الرقم/333)

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں: حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ بن علی ابن طالب سردیوں میں پچاس دینار کا کپڑا خرید کر لباس بناتے اور پھر گرمیوں میں اس کو صدقہ کر دیتے گرمیوں میں مصری کپڑوں میں سے خرید کر لباس بناتے۔

(الذهبي، سير أعلام النبلاء، 398/4)

سیرت نگاروں نے امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قیمتی لباس کا ذکر کیا ہے جس کی قیمت 1500 درہم تھی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت میں آتا ہے کہ آپ حدیث کی تعلیم کے دوان عمدہ اور قیمتی لباس زیب تن کرتے تھے۔

اسی طرح پہلے زمانے میں ہمارے ائمہ سادگی کے باوجود وقت کے تقاضوں کے مطابق بہتر لباس اور عمدہ رہائش کا انتظام کرتے تاکہ دین کا وقار قائم رہے۔ان کے اس عمل پر کبھی کسی نے اعتراض نہیں کیا۔اب جبکہ زمانہ بدل چکا ہے سائنس کی ترقی کی بدولت لوگوں کو ہر آسائش میسر ہے لوگ اپنی رہائش کے ساتھ ساتھ مساجدوں کی تعمیرات پر بھی خطیر رقم خرچ کرتے ہیں۔ حرمین شریفین اور دنیا کی دیگر بہت سی مساجد اس کی مثال ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ دین کی دعوت و تبلیغ کرنے والے افراد اپنے ظاہر میں بھی ہر لحاظ سے بارعب، پرکشش اور قابل قبول ہوں تاکہ لوگ ان کی شخصیت سے متاثر ہو کر دین کی طرف راغب ہوں۔ لہٰذا زمانے کے تقاضوں کے مطابق اپنے لباس اور رہن سہن کو باوقار بنانا چاہیے تاکہ دین کو ہر دور کی ہر سطح اور ہر سوسائٹی کے لئے قابل قبول اور محبوب بنایا جاسکے۔

ضروریات زندگی کی تقسیم

ہماری ضروریات تین سطحوں پر مشتمل ہیں:

ا۔ بنیادی ضروریات(Basic Needs):

یہ ضروریات ہیں جو زندگی کی بقاء کے لیے لازمی ہیں، جیسے کھانا، پینا اور

صحت کی سہولتیں۔

۲۔ عملی ضروریات(Functional Needs):

یہ ضروریات وہ ہیں جو زندگی کو بہتر بنانے کے لیے اہم ہیں، جیسے تعلیم، روزگار اور معاشی استحکام۔

حسی ضروریات(Aesthetic Needs):

یہ وہ چیزیں ہیں جو جمالیاتی سکون اور خوشی دیتی ہیں، جیسے خوبصورت لباس، خوشبو اور فنون۔

رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں ضروریات میں توازن برقرار رکھا۔ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہمیں ان ضروریات کو حکمت اور برکت کے ساتھ پورا کرنے کی رہنمائی دیتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ جب خوشبو کو پسند کرتے تھے تو وہ محض ایک basic need یا fundamental need نہیں تھی، بلکہ ایک aesthetic need تھی۔ یہ اس بات کا غماز ہے کہ دین میں صرف ضروریاتِ زندگی ہی نہیں، بلکہ زندگی کی ہر سطح پر خوبصورتی، عمدگی، سلیقے اور شائستگی کو بھی اہمیت دی گئی ہے۔ مزید یہ کہ دین انسان کو ایک خوبصورت اور متوازن زندگی گزارنے کی ترغیب دیتا ہے، جہاں ذاتی اور سماجی زندگی میں سلیقہ، شائستگی اور ذوق کی اہمیت ہو تاکہ وہ اللہ کی رضا کی طرف قدم بڑھا سکے۔

دشمنانِ اسلام کا دین بے زاری کا منصوبہ

دشمنانِ اسلام کا ایک بنیادی منصوبہ یہ ہے کہ دین اور دیندار کو اس انداز میں پیش کیا جائے کہ آج کا نوجوان دین سے بے زار ہو جائے اور اسے دنیاوی زندگی میں بے معنی اور irrelevant لگنے لگے۔ اس کے لیے وہ دین کے نمائندگان، دینی رہنماؤں اور علما کو ایک خاص انداز میں پیش کرتے ہیں، جو انتہائی کسمپرسی اور مفلسی کی حالت میں ہوں، تاکہ نئی نسل یہ تاثر لے کہ دین کا یادورِ حاضر سے کوئی تعلق نہیں۔

دینی رہنماؤں کو اس پہلو پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنا چاہیے کہ ہم کس طرح اپنے کردار اور طرزِ زندگی کے ذریعے نوجوان نسل کو دین کے ساتھ جوڑنے

میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ دنیاوی حشمت اور عزت کا ہونا آج کے دور میں نہ صرف ضروری ہے بلکہ اس کی اہمیت بھی بڑھ چکی ہے۔ پچھلی دو دہائیوں میں دین کے نمائندگان کی جو تصویر ہمارے معاشرے میں سامنے آئی، وہ ایک غمگین حقیقت ہے۔ وہ حافظ جی یا مولوی صاحب، جن کے پاس دو وقت کا کھانا محلے کے گھروں سے اکٹھا ہوتا تھا، جن کے تن پر چند کپڑے اور زندگی کی تمام تر ضروریات عطیات پر منحصر تھیں، ان کی معاشی تنگی نے دین کی تصویر کو اس طرح پیش کیا کہ نئی نسل نہ صرف دین سے دور ہوئی بلکہ اس کے بارے میں نفرت اور بیزاری کا بھی شکار ہوگئی۔

حاصل بحث

حاصلِ بحث یہ ہے کہ کیا دین کے نمائندگان کی تصویر دنیاوی شان و شوکت اور کامیابی سے ہم آہنگ ہو سکتی ہے؟ کیا وہ افراد جو معاشی اور سماجی طور پر خوشحال ہیں، دین کی صحیح نمائندگی نہیں کر سکتے؟ مرعوبیت کے اس دور میں ہمیں یہ سوال سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہم دین کے حسن، جمال اور باوقار طرزِ زندگی کو کس طرح اپنائیں، تاکہ نوجوان نسل نہ صرف دین کو سچائی کا راستہ سمجھے، بلکہ اسے ایک قابلِ فخر اور باوقار طرزِ زندگی کے طور پر اپنائے۔

دنیاوی عزت اور کامیابی کو رد نہیں کیا جا سکتا، بلکہ ہمیں ان دونوں کو دین کی روح اور پیغامات کے ساتھ ہم آہنگ کر کے پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم دین کی اصل حقیقت کو اس طرح پیش کریں کہ وہ نہ صرف دلوں میں اُترے، بلکہ ایک خوشحال، باعزت اور فطری زندگی کا حصہ بن جائے۔ جب نوجوان نسل دین کے نمائندوں کو باوقار، خوشحال اور کامیاب دیکھے گی تو وہ خود بھی دین سے جڑنے اور اس کی تعلیمات کو اپنانے میں فخر محسوس کرے گی۔ نتیجتاً دین نہ صرف ان کے دلوں میں جگہ بنائے گا، بلکہ ایک عملی اور قابلِ فخر زندگی کا حصہ بن جائے گا۔

صحت کا شعبہ اور ٹیکنالوجی

سمیہ اسلام

دنیا جس تیزی سے ترقی کر رہی ہے، اس میں ٹیکنالوجی ایک مرکزی کردار ادا کر رہی ہے۔ خاص طور پر صحت کا شعبہ ان شعبوں میں شامل ہے جہاں ٹیکنالوجی کی مداخلت نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ آج سے چند دہائیاں قبل جو کام صرف بڑے شہروں کے اسپتالوں تک محدود تھے، اب وہ کام موبائل فون اور کمپیوٹر کی مدد سے دور دراز دیہات میں بھی ممکن ہو چکے ہیں۔

صحت کے شعبے میں ٹیکنالوجی کی اہمیت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے کیونکہ یہ نہ صرف بیماریوں کی تشخیص کو تیز اور مؤثر بناتی ہے بلکہ علاج کے طریقہ کار کو بھی جدید بناتی ہے۔ جدید مشینوں جیسے MRI اور CT سکین کی بدولت بیماریوں کا جلد اور درست پتہ چلانا ممکن ہوا ہے، جبکہ الیکٹرانک ہیلتھ ریکارڈز کی مدد سے مریضوں کا مکمل میڈیکل ڈیٹا محفوظ رہتا ہے اور ڈاکٹرز کو بہتر فیصلے کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ٹیلی میڈیسن نے دور دراز علاقوں کے لوگوں کو بھی ماہر ڈاکٹروں سے مشورہ لینے کی سہولت فراہم کی ہے، جس سے صحت کی سہولیات زیادہ لوگوں تک پہنچنے لگی ہیں۔ روبوٹک سرجری اور مصنوعی ذہانت نے پیچیدہ آپریشنز کو زیادہ محفوظ اور مؤثر بنایا ہے، جبکہ اسمارٹ آلات جیسے فٹنس بینڈز اور اسمارٹ واچز مریض کی صحت کی مسلسل نگرانی میں مدد دیتے ہیں۔ ادویات کی تحقیق اور تیاری میں بھی ٹیکنالوجی نے انقلابی تبدیلیاں لائی ہیں، اور بڑے پیمانے پر ڈیٹا کے تجزیے سے صحت عامہ کی

منصوبہ بندی میں بہتری آئی ہے۔ یوں ٹیکنالوجی نے طب کے شعبے کو جدید، قابلِ اعتماد اور عوام کے لیے زیادہ قابلِ رسائی بنا دیا ہے۔

ٹیکنالوجی کا مثبت استعمال انسانی زندگی کے ہر شعبے میں ترقی اور آسانی کا سبب بن رہا ہے، اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا درست استعمال ایک روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔ تعلیم، صحت، زراعت، صنعت، اور رابطے کے ذرائع میں ٹیکنالوجی نے حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ تعلیم میں آن لائن لرننگ پلیٹ فارمز اور ڈیجیٹل لائبریریز نے علم کو ہر انسان کی دسترس میں پہنچا دیا ہے، جبکہ صحت کے شعبے میں جدید آلات اور طریقۂ علاج نے انسان کی زندگی کو زیادہ محفوظ اور طویل بنایا ہے۔ زراعت میں مشینی آلات اور ڈیٹا پر مبنی فیصلوں سے پیداوار میں اضافہ ہوا ہے، اور صنعت میں خودکار نظاموں نے پیداوار کی رفتار اور معیار کو بہتر کیا ہے۔

اگر ہم ٹیکنالوجی کو مثبت مقاصد کے لیے استعمال کرتے رہیں، تو نہ صرف موجودہ مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک ترقی یافتہ، سہولتوں سے بھرپور اور ماحول دوست دنیا کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ مصنوعی ذہانت، قابلِ تجدید توانائی، ماحول کی نگرانی کے سسٹمز، اور اسمارٹ شہروں جیسے منصوبے دنیا کو ایک محفوظ اور بہتر جگہ بنانے میں مدد دے رہے ہیں۔ اس لیے ٹیکنالوجی کا مثبت استعمال نہ صرف آج کی زندگی کو بہتر بناتا ہے بلکہ مستقبل کے لیے ترقی، امن، اور خوشحالی کی ضمانت بھی بنتا ہے۔

صحت کے شعبے میں ٹیکنالوجی کا مثبت استعمال انسانوں کو ایک بہتر، محفوظ اور صحت مند مستقبل کی طرف لے جا رہا ہے۔ جدید تشخیصی آلات، روبوٹک سرجری، اور مصنوعی ذہانت کی مدد سے پیچیدہ بیماریوں کی تشخیص اور علاج پہلے سے زیادہ تیز، مؤثر اور محفوظ ہو گیا ہے۔ الیکٹرانک میڈیکل ریکارڈز، ٹیلی میڈیسن، اور آن لائن ہیلتھ کنسلٹیشنز کی بدولت دور دراز علاقوں میں بسنے والے افراد کو بھی بروقت طبّی سہولیات میسر آ رہی ہیں، جس سے صحت کی سہولیات میں برابری اور رسائی میں اضافہ ہوا

ہے۔اس کے ساتھ ساتھ صحت سے متعلق ڈیٹا کا تجزیہ کرکے وباؤں کی پیشگی اطلاع دینا اور روک تھام کے اقدامات کرنا ممکن ہو گیا ہے۔

مستقبل میں صحت کے میدان میں ٹیکنالوجی کا کردار مزید بڑھتا جائے گا، جس سے علاج کے طریقے مزید جدید اور انفرادی نوعیت کے ہو جائیں گے۔ مصنوعی ذہانت کی مدد سے ہر مریض کے مخصوص حالات کے مطابق علاج تجویز کیا جا سکے گا، اور جینیاتی تحقیق کی بدولت موروثی بیماریوں کی روک تھام ممکن ہو گی۔ اسمارٹ واچز اور فٹنس ایپس جیسے آلات انسانی جسم کی مسلسل نگرانی کر کے خطرات کی پیشگی اطلاع دے سکتے ہیں، جس سے امراض کی شدت کم کی جا سکتی ہے۔ان تمام پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحت کے شعبے میں ٹیکنالوجی کا مثبت اور مؤثر استعمال ایک روشن، محفوظ اور صحت مند مستقبل کی مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔

صحت کے شعبے میں اہم ٹیکنالوجیز ٹیلی میڈیسن: دوری کا حل

ٹیلی میڈیسن وہ عمل ہے جس میں مریض اور ڈاکٹر کا رابطہ بذریعہ انٹرنیٹ ہوتا ہے۔ یہ سہولت خاص طور پر دور دراز علاقوں کے لیے بہت مؤثر ثابت ہوئی ہے۔ مثلاً گلگت بلتستان جیسے علاقوں میں جہاں ماہر ڈاکٹرز کی قلت ہے، وہاں ٹیلی میڈیسن کے ذریعے کراچی یا لاہور کے ڈاکٹروں سے مشورہ لیا جا سکتا ہے۔اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ لمبے سفر کی ضرورت ختم ہو جائے گی، مرض کی بروقت تشخیص ممکن ہو سکے گی، اخراجات میں خاطر خواہ کمی واقع ہو گی۔

مصنوعی ذہانت (AI): ذہانت کی نئی سطح

مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر، جیسے IBM Watson Health ، بیماریوں کی تشخیص میں ڈاکٹروں کی مدد کرتے ہیں۔ یہ نظام لاکھوں مریضوں کے ڈیٹا کو تجزیہ کر کے درست علاج تجویز کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسکی مدد سے کینسر کی تشخیص میں 90 فیصد سے زیادہ درستگی حاصل ہوئی ہے، جو انسانی تشخیص کے مقابلے میں زیادہ قابل اعتماد ثابت ہوا ہے۔

روبوٹک سرجری: درستگی کا نیا دور

روبوٹکس کی بدولت پیچیدہ جراحیوں کو نہ صرف زیادہ آسان بلکہ کم نقصان دہ بھی بنایا گیا ہے، جس سے طب کے میدان میں ایک نیا انقلاب برپا ہوا ہے۔ Da Vinci Surgical System جیسے جدید روبوٹس انتہائی باریک اور نازک سرجریوں میں استعمال ہو رہے ہیں، جن کی

مدد سے کم چیر پھاڑ ہوتی ہے، مریض جلد صحت یاب ہوتا ہے، اور انسانی غلطیوں کا امکان نہ ہونے کے برابر رہ جاتا ہے۔ یہ ٹیکنالوجی نہ صرف سرجنز کی مہارت کو بڑھاتی ہے بلکہ مریضوں کے لیے محفوظ اور مؤثر علاج کی ضمانت بھی بنتی ہے۔

الیکٹرانک ہیلتھ ریکارڈز (EHRs): معلومات کا خزانہ

مریضوں کی مکمل طبّی تاریخ اب کمپیوٹر میں محفوظ کی جا رہی ہے، جس سے نہ صرف ڈاکٹروں کو فوری اور درست معلومات حاصل ہوتی ہیں بلکہ مریض کا ریکارڈ بھی ایک جگہ منظم انداز میں موجود رہتا ہے۔ اس جدید نظام کی بدولت بار بار غیر ضروری ٹیسٹ کرانے کی ضرورت نہیں پڑتی، ڈاکٹر کا قیمتی وقت بچتا ہے، اور مریض کو دی جانے والی ادویات کی مطابقت بھی آسانی سے چیک کی جا سکتی ہے، جس سے علاج مزید مؤثر اور محفوظ ہو جاتا ہے۔

موبائل ایپس اور پہننے والی ٹیکنالوجی (Wearables)

فٹنس ٹریکرز، سمارٹ واچز، بلڈ پریشر مانیٹرز اور شوگر لیول چیک کرنے والے جدید آلات اب عام افراد کی پہنچ میں آ چکے ہیں، جو مریضوں کو اپنی صحت پر مسلسل نظر رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ ٹیکنالوجی نہ صرف صحت کے شعور کو بڑھاتی ہے بلکہ بروقت احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً Fitbit دل کی دھڑکن اور روزمرہ ورزش کی نگرانی کرتا ہے، MySugr ذیابیطس کو کنٹرول کرنے میں معاون ہوتا ہے، جبکہ Apple Health مکمل صحت کی رپورٹ فراہم کر کے مجموعی صحت کی حالت کا اندازہ لگانے میں مدد دیتا ہے۔

صحت کے شعبے میں ٹیکنالوجی کا استعمال ایک نعمت سے کم نہیں۔ اس کے ذریعے نہ صرف لاکھوں زندگیاں بچائی جا رہی ہیں بلکہ صحت کی سہولیات عام انسان کی پہنچ میں آ رہی ہیں۔ تاہم، اس ترقی کے ساتھ ساتھ ان چیلنجز کو سمجھنا اور حل کرنا بھی ضروری ہے جو ٹیکنالوجی کے غلط استعمال یا کمزوریوں سے جنم لیتے ہیں۔

مستقبل کا صحت کا نظام ایسا ہونا چاہیے جو ٹیکنالوجی پر مبنی، انسان دوست، شفاف اور سب کے لیے مساوی ہو۔ اگر ہم درست سمت میں کوشش جاری رکھیں، تو ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب صحت کی سہولتیں دنیا کے ہر فرد کو یکساں دستیاب ہوں گی، چاہے وہ کسی بھی علاقے یا طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔

اللہ کی مدد اور آزمائشوں کی حقیقت

اسکالر۔ مسز سعدیہ کریم

جنگ بدر کے بعد ایک طرف خود اہل مکہ کے دل مسلمانوں کے لیے انتقام کی آگ میں جل رہے تھے تو دوسری طرف مدینہ کے یہودی اور منافق اس آگ پر تیل ڈال کر مزید بھڑکانے میں سرگرم عمل تھے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ جس کے بھائی اور باپ غزوہ بدر میں مارے گئے تھے۔ وہ الگ ابوسفیان کو جنگ پر اکسا رہی تھی تاکہ باپ اور بھائی کے قتل کا بدلہ لے سکے۔ آخر کار سن 3 ہجری میں ان تمام عوامل کے پیش نظر احد کا معرکہ پیش آیا۔

تمام اہل مکہ یعنی قریش اور عرب کے دیگر تمام قبائل جن میں تمام بنو کنانہ اور اہل تہامہ شامل تھے۔ سب قریش کے حلیف و ساتھی بن گئے۔ مکہ کے حبشی غلاموں کو بھی لشکر میں شامل کیا گیا۔ رجز پڑھنے والے مرد اور بہادری کے لیے اکسانے والی عورتیں بھی لشکر میں شامل ہوئیں۔ ایک سال کی تیاریوں کے بعد تین ہزار افراد اور جنگجوؤں پر مشتمل یہ قافلہ ماہ شوال کی ابتدا میں روانہ ہوا۔ شعراء، عورتیں اور غلام ان کے علاوہ تھے جن میں جبیر بن مطعم کا غلام وحشی بھی شامل تھا۔ وہ حربہ یعنی چھوٹا نیزہ چلانے کا ماہر تھا۔ اس کا نشانہ خطا نہیں ہوتا تھا۔ جبیر بن مطعم نے اسے کہا کہ اگر تو حمزہ (حضور ﷺ کے چچا) کو قتل کرے گا تو میں تجھے آزاد کردوں گا اور ابوسفیان کی بیوی نے کہا کہ اگر حمزہ قتل ہو گیا تو میں اپنے سارے زیور تجھے انعام کے طور پر دے دوں گی۔ جب یہ لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی۔

حضور ﷺ کا خواب اور صحابہ کرام سے مشاورت

لشکر کی خبر سن کر آپ ﷺ نے اپنے تمام صحابہ کو جمع کیا اور مشاورت کی کہ اب کیا حکمت عملی اختیار کی جائے۔ مدینہ میں رہ کر ان کا مقابلہ کیا جائے یا مدینہ سے باہر نکل کر یہ لڑائی لڑی جائے۔ کچھ صحابہ نے مدینہ میں رہ کر لڑنے کو ترجیح دی۔ حضور ﷺ کا بھی یہی خیال تھا کیونکہ آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا تھا کہ تلوار کی تھوڑی سی دھار گر گئی ہے جس کی تعبیر آپ ﷺ نے یہ نکالی کہ اس معرکہ میں مسلمانوں کو تھوڑا سا نقصان پہنچے گا۔ پھر آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ زرہ میں ڈال دیا ہے۔ زرہ کی تعبیر کو آپ ﷺ نے مدینہ سمجھا۔ اس وجہ سے بھی آپ ﷺ نے مدینہ میں رہ کر لڑنے والی تجویز کو پسند فرمایا لیکن اکثر صحابہ کرامؓ کی رائے اس سے مختلف تھی جن میں نوجوان زیادہ تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ لڑائی مدینہ سے باہر ہو۔ یہ مجلس مشاورت 12 شوال جمعہ کے دن ہوئی۔ اس کے بعد نماز جمعہ ادا کی گئی۔ نماز کے بعد آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے کر گئے اور زرہ پہن کر مسلح ہو کر باہر نکلے اور تمام لوگوں کے ساتھ مل کر مدینہ سے باہر جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ مدینہ میں ایک نابینا صحابہ ام مکتوم کو نماز کی جماعت کے لیے مقرر کر دیا گیا۔

منافقین کی علیحدگی

دو میل فاصلہ طے کرنے کے بعد تین سو منافقوں نے عبداللہ بن ابی کی قیادت میں لشکر سے علیحدگی اختیار کر لی کہ آپ ﷺ نے ہماری بات نہیں مانی۔ اس لیے ہم اس جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ مسلمان صرف سات سو (700) رہ گئے تھے۔ ان میں سے بھی نوجوان عمر کے لڑکوں کو بھی حضور ﷺ نے واپس بھیج دیا۔ باقی لشکر میدان احد میں پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا۔ آپ ﷺ نے احد کی پہاڑی کو پس پشت رکھ کر اپنا مورچہ قائم کیا۔ اگلے دن آپ نے لشکر کی ترتیب مقرر فرمائی اور 50 تیر اندازوں کا دستہ عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں پس پشت درے پر مقرر فرمادیا اور حکم دیا کہ میرا حکم ملنے تک اس جگہ کو نہ چھوڑا جائے کیونکہ آپ ﷺ اپنی نگاہ نبوت سے ملاحظہ فرما چکے تھے کہ کفار وہاں سے حملہ کر سکتے ہیں۔ اس لیے حفظ ماتقدم کے طور پر تیر انداز وہاں مقرر فرمادیئے۔

جنگ کا آغاز اور کفار کی شکست

لڑائی کا آغاز ہوا تمام صحابہ کرامؓ بشمول حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت ابو دجانہؓ نے وہ مردانہ اور شجاعانہ جذبے دکھائے کہ کافروں کے حوصلے پست ہو گئے۔ حضرت حمزہؓ نے کافروں کے علمبردار کو

قتل کر دیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے ان کے بارہ علمبردار شہید ہو گئے اور علم زمین پر گر گیا۔ حضرت حمزہؓ کو وحشی نے شہید کر کے ہندہ کو خبر دی تو اس نے حضرت حمزہؓ کی لاش کا مثلہ کیا اور کلیجہ چبا کر اُگل دیا جب کافروں کے لشکر کا علم گرا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور حوصلے پست ہو گئے اور انھوں نے اپنا سامان چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگنا شروع کر دیا۔ ان کے شعراء اور عورتیں بھی میدان جنگ سے بھاگ رہی تھیں۔

حکم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلاف ورزی اور اس کا انجام

مسلمانوں کو فتح کا یقین ہو گیا۔ انھوں نے کافروں کے پیچھے بھاگ گئی تھیں مارنے کا ارادہ کیا۔ درے پر موجود صحابہ کرامؓ بھی ان کے تعاقب درے کو چھوڑ کر نیچے اتر آئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے انہیں سمجھایا کہ نہ جاؤ مگر وہ نہ مانے یہ سمجھ کہ مسلمانوں کو فتح ہو چکی ہے اور اسی خوشی میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ جگہ خالی دیکھ کر کافروں نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر دیا۔ بہت سے مسلمان شہید ہو گئے اور بہت سے مسلمان جن میں 65 اور 4 مہاجرین تھے شہید ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی شدید زخم آئے لیکن صحابہ کرامؓ نے دیوانہ وار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کیا۔

اللہ کی مدد اور آزمائشوں کی حقیقت

غزوہ احد میں مسلمانوں کو جو مصائب اور تکلیفیں پیش آئیں وہ سزا نہیں تھی بلکہ ان کی آزمائش تھی اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف بھی فرما دیا تھا۔ غزوہ احد میں مسلمانوں کی شکست میں بہت سی حکمتیں تھیں۔ اس میں مسلمانوں کی سخت آزمائش تھی۔ اللہ تعالیٰ کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کرنا چاہتے تھے تاکہ منافقین کی اصلیت ظاہر ہو جائے۔

مسلمانوں کو متقین کا درجہ حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور استغفار کی اہمیت و ضرورت کو اجاگر کیا گیا کہ اگر خطا ہو جائے تو کثرت استغفار کرنی چاہئے۔ غزوہ احد کی شکست کی بنیادی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی تھی۔ اس شکست کے ذریعے مسلمانوں کو اس بے ادبی کی حقیقت دکھائی گئی اور آئندہ کے لیے بے ادبی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سختی سے منع کر دیا گیا اور بتا دیا گیا کہ نبی کی نافرمانی قوم پر کتنی بھاری پڑتی ہے۔

اس شکست کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور حقوق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ادب، محبت، اطاعت، اتباع اور نصرت دین) کو آخری حد تک پورا کرنے کی ترغیب

دلائی اور واضح کر دیا کہ جو کوئی نبی کریم ﷺ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرلے گا وہ ہمیشہ فاتح بن کر بھی ناکام ہی رہے گا اور کامیابی اس کو نصیب نہیں ہو سکے گی۔

اس غزوہ کے ذریعے مسلمانوں کی آزمائش کی گئی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا کہ

ولیبتلی اللہ ما فی صدورکم۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کو جو مصائب پہنچے وہ سزا نہیں تھی بلکہ آزمائش تھی اور اس آزمائش کا مقصد مومنین مخلصین اور منافقین کی پہچان کروانا تھا۔ بظاہر اس کی صورت سزا کی ہی تھی مگر یہ سزا مربیانہ اصلاح کے لیے تھی جس کا مقصد مسلمانوں کو ادب واطاعت مصطفی ﷺ کی مشق کروانا تھا۔ آیت کے آغاز میں ولیبتلی کے الفاظ اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ مصائب کے وقوع کا سبب ربانی حکمتیں تھیں جن میں اہم ترین حکمت لوگوں کو یہ باور کروانا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء کرامؑ اللہ کے نزدیک کتنے اہم اور محبوب ہیں اور اگر ان کی امت کے لوگ ان کی حکم عدولی کریں یا ان سے سرکشی و بے ادبی کا معاملہ کریں تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ایسے لوگوں پر واجب ہو جاتا ہے کیونکہ نبی جس چیز کا حکم دیتے ہیں وہ منشائے الٰہی ہوتی ہے۔ غزوہ احد کے اس واقعے کے ذریعے مسلمانوں کے لیے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو فرض کر دیا گیا۔ مرشد و مربی کی صفات کا تذکرہ کر کے ان کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا حکم دیا گیا۔

جب مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ سے حکم سے ذرا سا منہ موڑا تو اس کی سزا فوراً ظاہر کر دی گئی اور فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا گیا۔ گویا انھیں یہ شعور دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کی چھوٹی سے حکم عدولی بھی انہیں کتنے بڑے نقصان سے دوچار کر سکتی ہے۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ کو خود انھیں معاف کرنے، اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے استغفار طلب کرنے اور انھیں دوبارہ اپنا قرب عطا فرمانے کا حکم دیا گیا۔

مسلمانوں کو ہمیشہ صبر واستقامت ظاہر کرنے کا حکم دیا گیا اور اس کی حکمتیں اور معارف ان پر ظاہر کر دیئے گئے۔ غزوہ احد کے نتائج واثرات کے ذریعے مسلمانوں کو دینی وسیاسی عوامل کو سمجھنے کا موقع ملا۔ انھیں مشاورت کی اہمیت و ضرورت اور اسے اختیار کرنے سے متعلق رہنمائی ملی اور یہ سبق دیا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات وفرمودات کو مان لینے میں ہی ان کی کامیابی و عظمت ہے۔

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

ابتدا کی خیر ہو اور انتہا کی خیر ہو
”ہر قدم پر عاشقانِ مصطفیٰؐ کی خیر ہو“

جو ہوا میلادِ محبوبِ خدا سے فیض یاب
اس مبارک شہر مکہ کی فضا کی خیر ہو

جس کے چھونے سے ملے مردہ دلوں کو زندگی
شہر طیبہ کی ہوائے جاں فزا کی خیر ہو

آؤ ان کی آل کے در پر چلیں بن کر گدا
خیر بھی دیتے ہیں کہتے ہیں گدا کی خیر ہو

ربِ کعبہ! ظلمِ اہلِ کفر حد سے بڑھ چکا
ہے تجھی سے اب دعا اہلِ غزا کی خیر ہو

کررہے ہیں جو فدا جانیں نبی کے نام پر
ان کی جرأت اور حمیت اور وفا کی خیر ہو

یا الٰہی جس بھی خطے میں ہے دنیا کے مقیم
ہر جگہ پر امتِ خیرالوریٰ کی خیر ہو

جن سے ہمدانیؔ جہاں کو نعت کا ورثہ ملا
کعبؓ و حسانؓ و بوصیریؒ اور رضاؒ کی خیر ہو

{انجینئر اشفاق حسین ہمدانیؔ}

کتاب کی فضیلت اور فوائد

تحریر: ایم اے رضا خان

کتاب، الفاظ کے وہ چراغ ہیں جو صدیوں سے انسانی ذہنوں کو منور کرتے آ رہے ہیں۔ یہ صرف ایک کاغذی دستاویز نہیں بلکہ شعور، تہذیب، اخلاق، اور تحقیق کی وہ روشن قندیل ہے جس نے انسان کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم کے اجالے میں لا کھڑا کیا۔ 23 اپریل کو منایا جانے والا عالمی یومِ کتاب ہمیں اس علمی ورثے کی یاد دلاتا ہے جو نسل در نسل منتقل ہوتا رہا ہے اور جس نے دنیا کی تاریخ کو بدلا ہے۔

اگر ہم علم اور کتاب کی قدرو منزلت کو سمجھنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں الکتاب یعنی قرآن مجید کو دیکھنا ہوگا، جو تمام علوم کی اصل ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جو نہ صرف انسانی زندگی کے ہر پہلو کی رہنمائی فراہم کرتی ہے بلکہ علم کو سب سے بڑی فضیلت قرار دیتی ہے۔ قرآن مجید میں علم کے حصول کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے، چنانچہ پہلی وحی کا آغاز ہی اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (پڑھ! اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا) سے ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی فرمایا: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔" (ابن ماجہ)۔

یہی وہ شعور تھا جو ائمہ کرام اور عظیم فلسفیوں نے اپنی تحریروں میں اجاگر کیا۔ امام غزالیؒ، جنہیں حجۃ الاسلام کہا جاتا ہے، اپنی شہرہ آفاق کتاب "احیاء علوم الدین" میں فرماتے ہیں کہ: "علم ایک ایسا نور ہے جو قلب کو روشنی عطا کرتا ہے، اور جہالت وہ اندھیرا ہے جو انسان کو بربادی کی طرف لے جاتا ہے۔" وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی معاشرے میں علم اور کتاب سے تعلق ختم ہو جائے، تو وہ تباہی کے دہانے پر جا کھڑا ہوتا ہے۔

اسی طرح ارسطو، جو مغربی فلسفے کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں، اپنی کتاب "میٹافزکس" میں کہتے ہیں: "انسان کی سب سے بڑی طاقت اس کا علم ہے، اور سب سے بڑی کمزوری اس کا جہل ہے۔" ان کے استاد سقراط کا قول تھا: "میں جانتا ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتا، لیکن میرا یہی شعور مجھے دوسروں سے برتر بناتا ہے۔" یہی وہ ذہنی رویہ ہے جو کتاب کے ذریعے پروان چڑھتا ہے۔

اسلامی تہذیب میں، جہاں کتاب کو روحانی اور علمی ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھا گیا، وہیں آسمانی کتابوں نے بھی انسانیت کی رہنمائی میں بنیادی کردار ادا کیا۔ تورات، زبور، انجیل، اور پھر قرآن مجید — ہر کتاب نے اپنے وقت کے لوگوں کو علم و حکمت کی روشنی فراہم کی۔ نبی اکرم ﷺ نے کتاب کے ذریعے علم کو عام کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی، یہاں تک کہ غزوہ بدر کے قیدیوں کو رہائی کے بدلے میں مسلمانوں کو تعلیم دینے کا حکم دیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ ایک امت کی ترقی کا راز ہتھیاروں میں نہیں، بلکہ علم اور کتاب میں پوشیدہ ہے۔

آج جب ہم جدید دنیا کی طرف نظر ڈالتے ہیں، تو ہمیں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی سرمایہ اس علمی روایت کا تسلسل نظر آتا ہے۔ انہوں نے ہزاروں موضوعات پر کتب تحریر کیں جو نہ صرف اسلامی تعلیمات بلکہ جدید دور کے فکری چیلنجز کا بھی احاطہ کرتی ہیں۔ ان کی تصانیف، جیسے "قرآنی انسائیکلوپیڈیا"، "سیرۃ الرسول ﷺ"، "اسلام میں انسانی حقوق"، "المنہاج السوی"، اور "عرفان القرآن"، ہر اس طالب علم کے لیے ایک علمی خزانہ ہیں جو دین، فلسفہ، سائنس، اور اخلاقیات پر گہری نظر رکھنا چاہتا ہے۔

منہاج القرآن انٹرنیشنل کے تحت شائع ہونے والی یہ کتب صرف علمی ذخیرہ نہیں، بلکہ ایک فکری تحریک بھی ہیں جو نوجوان نسل کو تحقیق و تدبر کی راہ پر گامزن کرتی ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ، اگر ہم تاریخ کے دیگر عظیم مصنفین پر نظر ڈالیں تو امام ابن تیمیہ، علامہ ابن رشد، جابر بن حیان، الفارابی، ابن سینا، اور مولانا روم جیسے مفکرین کا علمی کام آج بھی دنیا بھر میں پڑھا جاتا ہے۔

کتاب دوستی کو اپنا کر ہی علم کی وسعت، فصاحت و بلاغت، تحمل و بردباری اور روشن خیالی کی منازل طے کی جا سکتی ہیں۔جو قومیں مطالعے کی عادت ترک کر دیتی ہیں، وہ زوال کی گہری کھائی میں جا گرتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ اقوام آج بھی کتب بینی کو اپنی ثقافت کا لازمی حصہ سمجھتی ہیں۔وہاں کی لائبریریاں دن رات آباد رہتی ہیں، کتاب میلوں میں ہزاروں افراد شرکت کرتے ہیں، اور ہر گھر میں ذاتی کتب خانے بنائے جاتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں، بدقسمتی سے، یہ رجحان کمزور ہو چکا ہے۔سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل تفریح نے کتابوں سے رشتہ کمزور کر دیا ہے۔لیکن ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ کیا ہم صرف سطحی معلومات اور فوری تفریح پر انحصار کر کے فکری طور پر مضبوط ہو سکتے ہیں؟ اگر نہیں، تو ہمیں دوبارہ کتاب کی طرف لوٹنا ہوگا۔

یہ دن ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم اپنی زندگی میں مطالعے کو ایک لازمی عمل بنائیں۔ہم خود سے سوال کریں: ہم نے آخری بار کون سی کتاب پڑھی تھی؟ کیا ہم اپنی نئی نسل کو کتابوں کی محبت منتقل کر رہے ہیں؟ کیا ہم نے اپنے گھروں میں ایسا ماحول بنایا ہے جہاں کتابیں عام ہوں؟ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری آنے والی نسل فکری طور پر مضبوط ہو، تو ہمیں انہیں کتاب سے جوڑنا ہوگا۔

آیئے، آج کے دن ایک وعدہ کریں کہ ہم کم از کم ہر ماہ ایک اچھی کتاب ضرور پڑھیں گے، اپنی لائبریری میں اضافہ کریں گے، اور اپنے دوستوں کو بھی اس علمی سفر میں شریک کریں گے۔یہی وہ راستہ ہے جو ہمیں ایک مہذب، باوقار اور ترقی یافتہ قوم کی منزل تک لے جا سکتا ہے۔

اصلاحِ معاشرہ اور صوفیاء کرام کا کردار

عائشہ صدیقہ۔ڈپٹی ڈائریکٹر عرفان الہدایہ (حصہ چہارم)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کائنات میں احسن، ارفع و اعلیٰ پیدا کیا اور تمام مخلوقات میں اشرف المخلوق ہونے کا شرف بخشا۔ کائنات میں انسان کو کسی مقصد کے تحت بھیجا اُسی مقصد کے حصول کے لئے انسان اپنی پیدائش سے لے کر مرنے تک کی زندگی بسر کرتا ہے۔ دنیا میں انسان سے جو بھی اعمال و افعال سرزد ہوتے ہیں وہی اُس کی شخصیت کا حصہ ہوتے ہیں اگر وہ اچھے افعال سرانجام دے گا تو اُس کی شخصیت اچھی ہوگی اور اگر وہ بُرے اعمال کو اپنی شخصیت کا حصہ بنائے گا تو اُس کی شخصیت بھی اُسی طرز کی ہوگی۔ اللہ رب العزت نے انسان کو اس دنیا میں بھیجنے کے ساتھ ساتھ اُس کو زندگی گزارنے کے اُصول و قواعد اور آداب بھی بتائے اور سکھائے ہیں۔ یہ تو اللہ راب العزت کا فضل واحسان ہے کہ اُس نے انسان کو عقل کے ذریعے غور و فکر کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے تاکہ انسان اگر کبھی بھول جائے تو غور و فکر کے ذریعے صحیح راستے کی پہچان کر سکے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وھدینہ النجدین (سورۃ البلد ۹۰:۱۰)

"اور ہم نے اُسے خیر و شر کے دو نمایاں راستے بھی دکھا دیئے۔"

انسان جب اس دنیا میں آتا ہے نہ وہ بول سکتا ہے اور نہ وہ چل سکتا ہے اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے اُس کی پرورش والدین کے ذریعے کی کہ وہ شیر خوارگی کی عمر سے نکل کر عہد طفولیت اور بچپن سے ہوتا

ہوا جوانی کی طرف بڑھتا ہے اور بڑھاپے میں داخل ہو کر اپنے مقررہ وقت پر اس دنیائے فانی سے رخصت ہو جاتا ہے۔ چند سالہ زندگی میں انسان اس دنیا کی رنگینیوں کو دیکھتا ہے کہ چرند پرند مٹی، آگ، ہوا، پانی، شجر و حجر وغیرہ کسی نہ کسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ظاہری دنیا کی زندگی میں انسان مختلف اور بے شمار واقعات کا مشاہدہ کرتا ہے، لوگوں کے ساتھ تعلقات استوار کرتا ہے، اُس کی غمی اور خوشی میں شریک ہوتا ہے۔ لوگوں کے نزدیک اُس کی پہچان کا ایک معیار بن جاتا ہے اور وہی معیار اُس کی شخصیت کی پہچان بنتا ہے۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کے لئے آنکھیں، بولنے کے لئے منہ، سننے کے لئے کان، چلنے کے لئے ٹانگیں اور غور و فکر کرنے کے لئے عقل اور دیگر جسمانی اعضاء عطا کئے ہیں تاکہ وہ ان کی صحیح پہچان کر سکے اور یہ پہچان اُس وقت ہی ممکن ہو گی جب وہ اپنی شخصیت کی نشو نما شریعت کے اُصولوں کے مطابق کرے گا۔ اگر انسان خلاف شرع اُصول وضوابط کو اپنی شخصیت کا حصہ بنائے گا تو سراسر خواہشات نفس کی پیروی کرنے والا ہو گا۔

برصغیر پاک و ہند میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں جن اولیاء نے مثالی کردار ادا کیا ان میں سے ایک مثالی کردار سید مخدوم داتا علی ہجویریؒ کا نام سر فہرست ہے اور ان کی معرکۃ الآراء کشف المحجوب نے بھی بنی نوع انسان کی اصلاحِ احوال اور شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپؒ نے اصلاح معاشرہ اور بہترین شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے پیش نظر افرادِ معاشرہ کو اخوتِ اسلامیہ، امن و سلامتی، خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ہونا، اسلام کی اخلاقی تعلیمات، جود و سخا، شخصی کردار کی تشکیل، آداب زندگی، خاموشی و گفتگو کے آداب و فوائد و نقصانات وغیرہ پر کار بند رہنے کی تلقین کتاب میں جا بجا طور پر فرمائی ہے۔ انسانیت کی اصلاح اور کردار کی تعمیر و فلاح انبیائے کرام کے پیغام کا اولین مقصد رہا ہے اصلاح و تعمیر کا کام حکمت و تدبیر، وعظ و نصیحت، اثر خیز اور قائل کر دینے والے دلائل اور خلقِ خدا کی خدمت کے طفیل ہی ممکن ہے۔ آپؒ نے اصلاحِ معاشرہ اور شخصیت کی تربیت و اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور اس کاوش میں اہم کردار ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انسان کو پیدا کیا اور اس کی ہدایت کے لئے رسول اور نبی بھیجے اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد یہ ذمہ علماء کو سونپا گیا تاکہ انسان ہدایت کا راستہ اختیار کر کے بہترین خصوصیات کو اپنی شخصیت کا حصہ بنائے، جس سے اس کی شخصیت کی تعمیر ہو دین و دنیا میں اس کا بہترین تشخص قائم ہو۔ اس ذمہ داری کو سر انجام دیتے ہوئے سید علی بن عثمانؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں انسان کی کردار سازی اور تعمیر شخصیت کے لئے کچھ مناہج بیان کئے ہیں۔

حصولِ علم

علم کے ذریعے آدمی ایمان اور یقین کی دنیا آباد کرتا ہے۔ بھٹکے ہوئے لوگوں کو صراط مستقیم دکھاتا ہے بوڑھوں کو اچھا، دشمن کو دوست، بیگانوں کو اپنا اور دنیا میں بد امنی کی بجی امن و امان کی فضا پیدا کرتا ہے۔ علم کی فضیلت و عظمت، تاکید و ترغیب اسلام کے اندر جس بلیغ، احسن اور دل آویز انداز میں پائی جاتی ہے اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ تعلیم و تربیت اس دین بر حق کا جزلا ینفک ہے۔ غرض یہ کہ اس حد تک علم حاصل کرنا ضروری ہے جس سے حوائج شریعہ پورے ہو سکیں جیسے علم نجوم اس کا اتنا جاننا ضروری ہے کہ جس سے رات دن کے اوقات اور صوم و صلوۃ کا وقت معلوم ہو سکے، علم طب اس قدر ضروری ہے جس سے انسان کی صحت کی حفاظت ہو سکے اور علم ریاضی اُتنا ہی ضروری ہے جس سے علم فرائض آسانی سے سمجھا جا سکے اور اسی طرح دیگر علوم بھی اور وہ علم جس کا اخروی منافع کے ساتھ کوئی نہ ہو اُس کی مذمت اللہ تعالی نے خود قرآن مجید میں فرمائی ہے:

ویتعلمون ما یضرھم ولا ینفعھم (سورۃ البقرہ ۲:۱۰۲)

"اور وہ اُن علوم کو سیکھتے ہیں جو اُنہیں (اعتقادات و مبہمات میں) نقصان پہنچاتے ہیں اور اُن کے لئے نفع بخش نہیں ہوتے۔

۱۔ سید علی ہجویریؒ حاتم اصم کا قول نقل کرتے ہیں کہ حاتم اسم نے فرمایا میں نے چار علم اختیار کئے اور دنیا کے تمام علوم سے آزاد ہوں۔

۲۔ پہلا علم یہ کہ میرا رزق جتنا میرے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے وہ کم یا زیادہ نہیں ہو سکتا اس وجہ سے میں زیادہ کی تلاش سے غنی ہوں۔

۳۔ دوسرا علم یہ ہے کہ مجھ پر اللہ تعالی کے ایسے حقوق ہیں جو میرے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ادا کر سکتا تو میں اُن حقوق کی ادائیگی میں مشغول ہو گیا ہوں۔

۴۔ اور تیسرا علم یہ ہے کہ ایک شے میری طالب ہے جسے موت کہتے ہیں اور اُس بھاگنا ناممکن ہے اس لئے میں ہر وقت اُس کے لئے تیار رہتا ہوں۔

چوتھا علم یہ ہے کہ اللہ رب العزت ہر لمحہ مجھے دیکھنے والا ہے تو میں اُس سے شرماتا ہوں اور تمام ناپسندیدہ اعمال سے اجتناب کرتا ہوں اور ہر اُس فعل سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں جس کی وجہ سے قیامت کے دن شرمندہ ہونا پڑے۔

حضرت ابن معاذ فرماتے ہیں:

اجتنب صحبة ثلاثة اصناف من الناس ، العلماء الغافلين والفقراء المداهنين والمتصوفة الجاهلين (ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتادربار کمپلیکس، ص۹۷)

" تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرو غافل و بے عمل علماء اور حق سے زبان بند کروانے فقراء اور جاہل صوفیاء سے۔"

معرفتِ الٰہی

اللہ کا وجود اس کائنات کی ایک واضح اور مبین حقیقت ہے اس دنیا کے نباتات، حیوانات، جمادات، چرند، پرند، حتی کے انسان اپنے ظاہر و باطن سے یہ اعلان کر رہے ہیں کہ وہ خود بخود وجود میں نہیں آئے بلکہ اُنہیں کسی نے پیدا کیا ہے چنانچہ ہر شے کا اپنے رب سے پہلا رشتہ خالق اور مخلوق کا ہے۔ جہاں تک انسان کا تعلق ہے تو اُس کا اللہ تعالی کے ساتھ تعارف دو بنیادوں پر ہے۔ ایک بنیاد داخلی اور دوسری خارجی ہے۔ داخلی طور پر ہر انسان کی فطرت میں اللہ تعالی نے اپنے وجود اور توحید کے تصور کو پنہاں کر دیا ہے جس کا اشارہ عہد الست سے بھی ملتا ہے چنانچہ جب انسان اپنے باطن میں جھانکتا ہے تو وہ اپنے اندر ایک خالق و مالک ہستی کو محسوس کرتا ہے اور دوسری جانب جب انسان خارجی ماحول میں اپنی نگاہ دوڑاتا ہے تو اس کائنات کی ہم آہنگی، رنگینی، نظام ربوبیت اور نظم واستحکام یہ ماننے پر مجبور کر دیتا ہے کہ کوئی تو ایسی برتر و بالا ہستی موجود ہے جو اس کائنات کو تخلیق کر کے اپنی تدابیر کے ساتھ چلا رہی ہے۔ اپنے خالق کو انسان اُس دن سے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے جس دن سے اُس کی تخلیق ہوئی ہے البتہ انسان اپنے محدود علم کی بنا پر اللہ تعالی کی ذات وصفات کا مکمل طور پر احاطہ نہیں کر سکتا لیکن اُس کی معرفت کی پہچان جاری ہے۔

سید علی ہجویری نے کشف المحجوب میں معرفت کی دو اقسام بیان کی ہیں۔

- معرفت علمی
- معرفت حالی

معرفت علمی تمام نیکیوں کی جڑ ہے جو انسان کو دنیا و آخرت میں حاصل ہوتی ہیں اور بندے کے لئے معرفت میں اہم ترین چیز یہ ہے کہ وہ اوقات احوال میں اللہ تعالی کو دنیا و آخرت میں پہچانے۔ معرفت حال کو علت کو علت بھی سمجھا جاتا ہے اور وہ علت عقل ہے۔ جو کچھ عقل ثابت کرتی ہے معرفت اُس کی نفی کرتی ہے عقل کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ استدلال کے ذریعے معرفت حاصل کرے اس لئے جہاں پر عقل ثابت ہو جائے وہاں معرفت کی نفی ہو جائے گی۔ معرفت دراصل حیات قلب کا نام ہے

جس کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑ جانا اور اللہ تعالیٰ کے سوا سے اعراض برتنا اور یہ درجہ انسان کو حق تعالیٰ کی معرفت سے ہی نصیب ہوتا ہے۔ جسے معرفت حق نصیب نہ ہو وہ ذلیل اور بے قدر ہے۔

سید علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں حضرت شبلیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

حقیقة المعرفة العجزعن معرفة الله (ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۴۵۴)

"حقیقت معرفت یہ ہے کہ معرفت حق سے بندہ خود کو عاجز سمجھے۔"

نظام شخصیت کی تعمیر کا اوّلین منہج معرفت الہٰی ہے جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ باقی سب چیزوں سے بے نیاز ہو گیا اور تمام قسم کی غیر اللہ کی عبادتوں کے بیان سے گونگا اور بہرا ہو گیا، اپنے سب اوصاف سے فانی ہو گیا۔

توحید

توحید کی حقیقت یہ کہ کسی ایک کہ ہونے پر یقین کیا جائے۔ جب اللہ اپنی ذات و صفات میں ایک اور لاثانی ہے اور اپنے تمام تر افعال میں بے مثل ہے تو وہی ایک ہے۔ موحدوں نے اسے اسی صفت پر جانا ہے اور عقل نے اس کا نام "توحید" رکھا ہے۔

سید علی بن عثمانؒ نے کشف المحجوب میں توحید کی تین اقسام بیان کی ہیں۔

توحید حق: توحید حق وہ توحید ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے اُس نے اپنی ذات کے یگانہ ہونے کی تصدیق کی اور اُسے (اللہ تعالیٰ) اپنی واحدانیت کا علم بھی ہے۔

توحید خلق کے لئے: اور یہ حکم تعالیٰ ہر بندے کے لئے ہے تو اس بنا پر بندے کے دل میں علم وحدانیت اور یقین وحدانیت ہونا لازمی ہے۔

توحید خلقت کی حق کے لئے: اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کو جاننا، پہچاننا اور یقین کرنا۔

سید علی بن عثمانؒ فرماتے ہیں کہ توحید حق سے بندے کو اسرار حاصل ہوتے ہیں۔ خود کو راہ راست پر لانے اور راہ سلوک کا مسافر بننے کے لئے ضروری ہے کہ وحدہ لاشریک کو دل سے تسلیم کیا جائے اور زبان سے اقرار کیا جائے۔ اُصول توحید میں سے ایک اُصول ہجرت وطن ہے جس کا معنی معلوفات نفس، آرام گاہ دل، قرار گاہ طبیعت اور رسوم دنیا سے ناواقف رہنا اور وحدہ لاشریک کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل پیرا ہونا ہے۔ (ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۴۶۵)

ایمان

ایمان کے لئے دو بنیادی چیزیں ہیں ایک اصل اور دوسری فرع۔ ایمان کی اصل تصدیق بالقلب ہے اور اُس کی فرع اوامر و نواہی ہیں۔ محدثین کو ہاں ایمان کے تین اجزاء ہیں تصدیق بالقلب، اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ایمان ہے۔ کامل ایمان تو حقیقتاً یہی ہے، اگر کوئی شخص بے عمل ہے تو اُس کا ایمان ناقص ہے۔ پہلے دو اجزاء ایمان کا بنیادی حصہ ہیں اور اعمال اُس کی حقیقت میں نہیں ہیں اگرچہ کمال ایمان اعمال صالحہ ہی سے وجود میں آتا ہے۔ (محدث دہلوی عبد الحق، (س ن)، ایمان کیا ہے؟، (مترجم محمد انظر شاہ)، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ص ۸۳)

فقہاء، صوفیاء اور علماء اقرار باللسان اور تصدیق بالجنان کے قائل ہیں۔ سید علی بن عثمانؒ نے ایمان کو تعمیر شخصیت کا منہج قرار دیا اور فرمایا کہ جب بندہ رب تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے تو رب کے حکم کی عظمت بڑھ جاتی ہے اور مطیع اس درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ اُس سے طاعت کا رنج اٹھا لیا جاتا ہے اور اُسے اطاعت گزاری کی توفیق بغیر رنج کے دے دی جاتی ہے۔

اگر انسان اپنی شخصیت کو سنوارنا چاہتا ہے تو اُسے ضروریات دین پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار کرنے سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ضروریات دین سے مراد اللہ تعالیٰ توحید اور اُس کی صفات پر ایمان لانا، فرشتوں، آسمانی کتابوں، رسولوں، آخرت، تقدیر اچھی اور بری تقدیر، موت کے بعد زندہ اُٹھائے جانے پر ایمان لانا، نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ کہ فرضیت کا قائل ہونا اور تمام امور شر اور فرائض اسلام کی عدم ادائیگی کی حرمت کا قائل ہونا وغیرہ۔ (تفتازانی مسعود بن عمر بن عبد اللہ الشہیر سعد الدین، (۲۰۱۴ء)، شرح المقاصد، عالم کتب، ج۳، ص ۴۲۰)

طہارت و پاکیزگی

طہارت و پاکیزگی کا خوبصورت عمل نماز ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے جسم، جگہ اور لباس کا پاک ہونا ضروری ہے تو نماز کے توسط سے انسان بدن کی نجاستوں سے پاک رہتا ہے۔ کشف المحجوب میں طہارت کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ باطنی طہارت اور ظاہری طہارت۔ باطنی طہارت کا تعلق دل کے پاک کرنے سے ہے۔ دل کی پاکیزگی کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ اور دل کی طہارت کے لئے آب توحید کی ضرورت ہے جس میں اعتقاد متذبذب اور مشکوک نہ ہو۔ اور ظاہری طہارت کے لئے پانی کا طاہر و مطہر ہونا ضروری ہونا ضروری ہے وہ پانی مستعمل اور مقید نہ ہو۔ چنانچہ صوفیا کرام ہمیشہ ظاہری طہارت کے پابند رہتے اور اپنا باطن توحید سے بھر

پور رکھتے تھے۔ انسان جس قدر طہارت و پاکیزگی کو اپنی شخصیت کا حصہ بناتا ہے اُس کی شخصیت اُتنی ہی مؤثر، دلکش اور ہر دلعزیز بن جاتی ہے۔ سید علی ہجویری نے کشف المحجوب میں ظاہری اور باطنی کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ظاہری اور باطنی طہارت میں موافقت ہونی چاہیے۔

- جب ہاتھ دھوئے تو اُس کے ساتھ ہی دل کو دنیا کی محبت سے پاک کرلے۔
- استنجا کرے تو جسطرح تو جس طرح ظاہری نجاست سے پاکی حاصل کی ویسے ہی باطن کو غیر کی دوستی پاک کرلے۔
- ناک میں پانی ڈالتے وقت نفسانی خواہشات کو بھی اپنے اوپر حرام کرلے۔
- جب منہ دھوئے تو ساتھ ہی تمام خواہشات نفسانی کی چیزوں سے منہ پھیر لے اور حق کی طرف متوجہ ہو۔
- جب ہاتھوں کو کہنیوں تک صاف کرے تو اپنے تمام نصیبوں سے علیحدہ ہو جائے۔
- سر کا مسح کرتے وقت اپنے تمام تر کام اللہ تعالیٰ کے حوالے کردے۔
- پاؤں دھوئے تو یہ نیت کرلے کہ تمام مناہی راہوں پر چلنے سے باز رہوں گا۔

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میرے دل میں دنیا کا اندیشہ گزرتا ہے تو میں طہارت کرلیتا ہوں اور جب اندیشہ عاقبت گزرتا ہے تو غسل کرلیتا ہوں اس لئے کہ دنیا محدث ہے اور اس کا اندیشہ حدث ہے اور عقبیٰ محل غیبت و آرام ہے اور اس کا اندیشہ جنابت ہے تو حدث سے طہارت واجب ہے اور جنابت سے غسل۔

توبہ واستغفار

طالبان حق کا پہلا مقام توبہ ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

یا ایھا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا ۔ (سورۃ التحریم ۸:۶۶)

”اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے حضور توبۃ النصوح کرو۔“

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما من شیٔ احب الی اللہ من شاب تائب الی اللہ تعالی

(الجرجانی، ابو احمد عبد اللہ بن عدی، (س ن)، الکامل فی ضعفاء الرجال، دالفکر، ج ۴، رقم الحدیث ۱۴۲۹

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک جوان کی توبہ سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں ہے۔“

سید علی بن عثمانؒ توبہ کی تعریف یوں کی ہے کہ توبہ کے لغوی معنی رجوع کرنے کے ہیں اور اصطلاحی طور پر بندہ اللہ تعالی کے حکم کی خلاف ورزی سے خائف ہو تو یہ اصل توبہ ہے۔ مزید آپ نے توبہ کے تین مقام بیان کئے ہیں۔

- پہلا تائب (گناہوں سے اطاعت کی طرف)۔
- دوسرا عاجز (اعمال کی غفلت سے اسکی یاد کی طرف رجوع)
- تیسرا اواب (اللہ کا دھیان اور حضوری نہ رہنے پر توبہ)

اس لئے کہ توبہ عام مومنوں کا مقام ہے اور وہ ارتکاب کبائر سے ہوتی ہے اور عنابت خالص اولیاء اور مقربان خاص کا مقام ہے اور اواب انبیاء و مرسلین کا مقام ہے۔ شخصیت کو سنوارنے کے لئے توبہ ایک بہترین راستہ ہے کہ جب بندہ اپنے احوال اور افعال پر غور و فکر کرتا اور اُس پر نادم ہوتا ہے اور اللہ تعالی کے حضور توبہ کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالی اُس پر توبہ کے اسباب کو آسان کر دیتا ہے اور اُسے اطاعت کی حلاوت عطا فرماتا ہے۔

سید علی ہجویریؒ نے توبہ سے متعلق حضرت ذوالنون مصری کا قول نقل کیا ہے

توبة العوام من ذنوب، توبه الخواص من الغفلة

(ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۴۸۰)

”عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی غفلت سے۔“

کشف المحجوب کے مطابق توبہ واستغفار کے ذریعے بندے پر جو حجاب اُٹھتا ہے وہ نماز ہے۔ پنجگانہ نماز اور اُن کے اوقات کار کی پابندی میں انسان کی تعمیر شخصیت کا مختصر مگر جامع عنصر پایا جاتا ہے۔ بندہ جب نماز کو وقت پر ادا کرتا ہے، اُس میں داخل ہونے سے پہلے اُس کی تمام شرائط کو پورا کرتا ہے اول نجاست ظاہری سے طہارت اور باطن شہوت سے طہارت، کپڑے کا ظاہری نجاست سے پاک ہونا اور باطنی طور پر حرام سے پاک ہونا، تیسری ظاہری طور پر حادثات اور آفات سے جگہ کا پاک ہونا اور باطن میں فتنہ و فساد اور گناہ سے، چوتھے ظاہری طور پر قبلہ روح ہونا اور باطنی طور پر عرش کی طرف متوجہ ہونا، پانچویں قیام ظاہر میں بحالت استطاعت اور قیام باطن باغ قربت میں بشرط یہ کہ ظاہر شریعت سے وقت میں داخل ہو اور باطن درجہ حقیقت میں ہو، چھٹے خلوص نیت کے ساتھ جناب حق میں متوجہ ہونا، ساتویں ہیبت و فنا کے مقام میں تکبیر تحریمہ کہنا اور محلے وصل میں قراءت کرنا، اور رکوع کو خشوع کے ساتھ اور سجدہ کو عاجزی کے ساتھ اور تشہد کو فنا کی صفت سے پورا کرنا۔

توجب بندہ نماز کو اس طرح ادا کرتا ہے جیسا کہ ادا کرنے کا حق ہے اُس کی شخصیت کی تعمیر کے جملہ مناہج پورے ہو جاتے ہیں تو یوں اُس کی شخصیت ایک متوازن شخصیت بن جاتی ہے۔

محبت الٰہی

سید علی بن عثمانؒ فرماتے ہیں کہ محبت الٰہی بندے کے لئے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے پر اپنی نعمتوں کی فراوانی فرمائے اور اُسے دنیا و آخرت میں بے حساب ثواب عطا فرمائے اور عذاب سے محفوظ رکھے اور اُس کی انتہا یہ ہے کہ وہ بندے کو معصیت سے معصوم رکھے اور اُس کے احوال بلند اور مقام اعلیٰ کر دے ایسا اُسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب انسان اپنے بہترین کردار کے لئے راہ راست پر چلے اور اللہ تعالیٰ کی محبت سے سوا تمام محبتوں سے اُس کا دل غنی ہو جائے۔

حضرت شبلیؒ محبت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

سمیت المحبۃ لانہا تمحو من القلب ما سوی المحبوب

(ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۴۹۰)

''محبت کا نام محبت اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ دلوں سے محبوب کے سوا سب کچھ مٹا دیتی ہے۔''

حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محبت کے باب میں یوں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل کو جسم سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرمایا اور مقام قرب میں رکھا اور جانوں کو دلوں سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرما کر درجہ وصل میں رکھا اور ہر روز تین سو ساٹھ بار اُن پر ظہور جمال فرمایا اور کلمہ محبت سنایا اور تین سو ساٹھ، طائف اُنس اُس پر منکشف کئے یہاں تک کہ کائنات پر نگاہ کر کہ فیصلہ کیا کہ اپنے سے زیادہ کسی کو اس کا اہل نہ پایا تو اُس میں فخر اور غرور پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان فرمایا سر کو جان میں مقید کیا، جان کو دل میں، اور دل کو تن میں رکھ کر عقل سے مرکب کیا پھر انبیائے کرام مبعوث فرمائے اور احکامات بھیجے تو ہر ایک اپنے اپنے مکان میں اُسی کا متلاشی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں نماز کا حکم دیا تاکہ جسم نماز میں، دل محبت میں، جان قربت میں اور سر وصل میں ہو۔ (ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۴۹۰)

محبت الٰہی کہ ذریعے بندے پر جو حجاب کھلتا ہے وہ زکوۃ ہے اور زکوۃ فرائض ایمان میں سے ایک ہے اور واجب ہے۔ زکوۃ صاحب نصاب شخص پر ایک سال کی مدت گزر جانے کے بعد واجب ہوتی ہے

۔جب بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرتا ہے تو وہ بخوشی اُسی کے دیئے ہوئے مال میں سے اُسی کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہ خرچ زکوۃ کی صورت میں ہو یا صدقات و خیرات کی صورت میں۔

جود و سخا

جود و سخا کے معنی یہ ہیں کہ مناسب موقعوں پر انسان اپنا دل اور اپنے ہاتھ کھلے رکھے اور جو مادی و معنوی مسائل اور امکانات اُس کے اختیار میں ہیں اُن کو صرف اپنی ہی ذات تک محدود نہ رکھے بلکہ اُس کے ذریعے دوسرں کو بھی بیچارگی اور فقر سے محفوظ کرے اور بیواؤں کے کاندھوں سے بوجھ کو ہلکا کرے، مشکلات کو حل کرے اور خدا تعالیٰ نے جو نعمتیں اسے عطا کر رکھی ہیں خواہ وہ مادی ہیں یا معنوی تمام نعمتوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ سید علی بن عثمانؒ فرماتے ہیں کہ علماء کے نزدیک جود و سخا مخلوق کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ بہترین سیرت و کردار کے حامل شخص کو چاہیے کہ وہ جود و سخا کو اپنی زندگی کا شعار بنا لے اور معاشرے کے پریشان حال، محتاج اور ضرورت مندوں کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں اُن کو بھی فائدہ پہنچائے۔

جود و سخا کے ذریعے بندے پر جو حجاب کھلتا ہے وہ روزہ ہے جس طرح جود و سخا میں بندہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہوئی نعمتوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے اُسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کے باوجود صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک خود کو تمام خواہشات سے محفوظ رکھتا ہے اور اس طریقے سے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا بھی طلب گار ہوتا ہے اور معاشرے کے نادار اور حاجت مندوں اور پریشان حال لوگوں کی پریشانیوں کو بھی محسوس کرتا ہے۔

احکام بھوک

بھوک کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

بطن جائع احب الی اللہ تعالیٰ من سبعین عابدا عاقلا

(ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۵۲۵)

”بھوکا پیٹ اللہ کو ستر عابد عاقلوں سے زیادہ محبوب ہے“

بھوک کے متعلق سید علی ہجویریؒ ارشاد فرماتے ہیں جن غذاؤں سے طبیعت کی پرورش ہوتی ہے، نفس کو قوت ملتی ہے اور حرص و خواہشات بڑھ جاتی ہیں اور اعضا میں اس کا قبلہ عام ہو جاتا ہے۔ پھر ہر رگ میں اس کا اثر پھیل کر ایک پردہ بن جاتا ہے اور جب غذاؤں کی طلب کم کر دی جائے تو خواہشات

ضعیف ہو جاتی ہیں، عقل کی قوت بڑھ جاتی ہے، نفس کا تصرف ٹوٹ جاتا ہے، اس وقت اس کے اسرار ودلائل ظاہر ہوتے ہیں اور نفس اپنی حرکات سے عاجز ہو جاتا ہے اور خواہشات وجود سے فنا ہونے لگتی ہیں اور باطل مٹ جاتا ہے اور اظہار حق میں محو ہو جاتا ہے اور مرید کی تمام مراد حاصل ہوتی ہے۔

بھوک کے ذریعے بندے پر جو حجاب کھلتا ہے وہ حج ہے۔ حج ایک بدنی عبادت ہے کہ مناسک حج کی ادائیگی میں بندے کو بہت مشقت اُٹھانی پڑتی ہے۔ بھوک کے ذریعے نفسانی قوت مٹ جاتی ہے اور طبیعت میں خضو پیدا ہوتا ہے اور انسان تمام مناسک حج کو بخوبی ادا کرتا ہے کیونکہ اُس کے بدن کی قوت بڑھ جاتی ہے۔

مشاہدہ

دنیا میں مشاہدہ آخرت میں دیدار کی مانند ہے جب بالاتفاق آخرت میں دیدار رواں ہے تو دنیا میں بھی مشاہدہ رواں ہے۔ مشاہدہ صفت سر ہے۔ حقیقت مشاہدہ دو طرح کا ہے ایک صحت یقین اور دوسرا غلبہ محبت سے۔ یعنی دوست غلبہ محبت میں اس درجہ تک پہنچے کہ خود گم ہو جائے اور دوست ہی دوست رہ جائے اور سوائے دوست کہ کسی غیر کو نہ دیکھے۔ حضرت ابویزیدؒ فرماتے ہیں:

ان اللہ عبادا لوحجبوا عن اللہ فی الدنیا و الاخرۃ لا رتدوا

(ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتادربار کمپلیکس، ص۵۶۹)

" اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ ایک پل دنیا وعقبیٰ میں اس کے جمال سے مجوب ہوں تو وہ اپنے آپ کو مرتد سمجھیں۔"

یعنی ان کی زندگی ہی مشاہدہ میں ہے اور محبت کی حیات ہی مشاہدہ سے ہے۔ بہترین شخصیت کے حامل افراد کردار سازی کے مراحل کو طے کرتے کرتے جب مشاہدہ پر آ پہنچتے ہیں تو دنیا کی تمام خواہشات ولذات اُن کے سامنے صفر ہوتی ہیں صوفیا اور مشائخ عظام اس کی زندہ مثال ہیں۔ اُن کو پھر اللہ تعالیٰ کے دیدار کی لذت کے سوا کسی دنیاوی دیدار کی طلب نہیں رہتی۔ مشاہدہ کے ذریعے جو بندے پر حجاب کھلتا ہے وہ صحبت صالح اور اُس کے آداب ہیں۔

دین اور دنیا کے سب کاموں کی زیب و زینت ادب سے ہے اور مخلوقات کے ہر مقام پر ادب کی ضرورت ہے اور اس بات پر تمام مسلم اور غیر مسلم سنی اور بدعتی سب متفق ہیں۔ اور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی کام ادب کے بغیر مقبول نہیں ہے لوگوں میں ادب ہی حفظ مراتب کا

ضامن ہے۔ جس میں مروت اور ادب نہیں اُس میں متابعت سنت نہیں ہو سکتی اور جس میں متابعت سنت نہ ہو وہ رعایت عزت نہیں کر سکتا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

حسن الادب من الایمان۔ (بخاری محمد بن اسماعیل، (س ن)، التاریخ الکبیر، باب حسن الادب من الایمان بیروت لبنان، دار المعرفہ، رقم الحدیث ۳۱۵)

"حسن ادب ایمان سے ہے۔"

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

ادبنی ربی و احسن تادیبی ۔(السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن، (۲۰۰۹ء)، الدرر المنتشرہ فی الاحادیث المشتھرہ، الریاض، المکتبۃ العربیہ السعودیہ، رقم الحدیث ۳۵۵)

"میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور اُس کی خوب تادیب بھی فرمائی۔"

ادب کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ ایک ادب توحید اور وہ یہ ہے کہ ظاہر اور باطن میں بندہ اپنے آپ کو بے ادبی سے محفوظ رکھے اور اس طرح رہے جس طرح شاہی دربار میں مؤدب اور عاجز بن کر رہا جاتا ہے۔

۲۔ دوسرا ادب باہمی کاروبار میں کہ تمام قسم کے حالات و واقعات میں اپنے نفس کے ساتھ مروت کی رعایت کرے تاکہ خلقت میں ہو یا حق کے حضور پیش ہو، بندہ قطعی بے ادب نہ ہو۔

۳۔ تیسرا ادب اپنے اُس عضو کو بھی نہ دیکھے جو کسی غیر کا بھی دیکھنا ناجائز ہے۔

حضرت علی بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں خراسان کے ایک قصبہ مکند میں پہنچا وہاں ایک بزرگ تھے جنہیں ادیب مکندی کہتے تھے اور یہ بزرگ بیس سال قیام میں رہے سوائے تشہد کہ کبھی نہ بیٹھے۔ میں نے اُن کا سبب پوچھا تو اُنہوں نے فرمایا ابھی میرا وہ درجہ نہیں کہ میں حضور حق کا مشاہدہ بیٹھ کر کروں اور پھر فرمایا:

لان المودۃ عند الادب و حسن الادب صفۃ الاحباب (ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۵۳۰)

"مودت ادب کے ساتھ ہے اور حسن ادب محبوں کی صفت ہے۔"

فقہی مسائل

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

قرآن کریم میں نماز اور زکوٰۃ کو 82 مقامات پر ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جس کی نظیر کسی اور حکم میں نہیں ملتی۔ زکوٰۃ دراصل وہ سسٹم ہے جس کے ذریعے معاشیات کو ایک مضبوط بنیاد پر استوار کیا گیا ہے۔ اسلام ایسا نظامِ معاش قائم کرتا ہے جس سے قومی سرمایہ اوپر ہی اوپر نہ گھومتا رہے۔ ارشاد فرمایا:

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ. (الحشر، 59: 7)

(یہ نظامِ تقسیم اس لیے ہے) تاکہ (سارا مال صرف) تمہارے مالداروں کے درمیان ہی نہ گردش کرتا رہے (بلکہ معاشرے کے تمام طبقات میں گردش کرے)۔

کیونکہ قومی سرمائے کی حیثیت تمام لوگوں کے لئے ایسی ہی ہے جیسے جسم کے لئے خون۔ اگر خون بعض حصوں کو پہنچتا رہے اور بعض محروم رہ جائیں تو وہ مفلوج ہو جائیں گے۔ یونہی قومی دولت اگر اوپر ہی اوپر چند طبقات میں گردش کرتی رہی تو قوم کی اکثریت عضوِ معطل ہو کر رہ جائے گی۔ جس طرح جسم کا مفلوج حصہ اچھا نہیں ہوتا اور جسم پر بوجھ بن جاتا ہے، اسی طرح جب عوام پر قومی سرمایہ خرچ نہ ہو گا تو اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرنے کی سکت نہ رکھنے والی اکثریت معاشرے کے لئے وبال جان بن

جائے گی۔ لہٰذا معاشرے کی خیریت اسی میں ہے کہ قومی دولت کی تقسیم مساویانہ طور پر کی جائے تاکہ معاشرے کے ہر فرد کو اس کی ضروریات بہم پہنچتی رہیں اور یہ خوبصورت دنیا کسی کے لئے جنت اور کسی کے لئے جہنم نہ بن جائے۔

اسلامی احکام کی برتری

اسلام کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے جو نظامِ حیات دیا اس میں نماز جیسی اہم ترین عبادت کے بعد زکٰوۃ کی صورت میں معاشرے کے مفلوک الحال طبقہ کو ضروریات زندگی کا سامان بہم پہنچانے کا مسئلہ حل عطا کر دیا کہ مال وصول کریں اور محروم طبقات کو ضروریات مہیا کریں۔ چنانچہ حکم ہوا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ. (التوبہ، 9: 103)

آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکٰوۃ) وصول کیجیے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرما دیں اور انہیں (ایمان و مال کی پاکیزگی سے) برکت بخش دیں اور ان کے حق میں دعا فرمائیں۔

یہ تو رسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم تھا۔ اب عام مسلمانوں کا فرض بھی ملاحظہ فرمائیے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ. (الحج، 22: 41)

(یہ اہلِ حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں (تو) وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکٰوۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں۔

اسلام کے دورِ اول میں جب اسلام مکمل طور پر ملکی قانون کے طور پر متمکن تھا۔ نماز اور زکٰوۃ کا سسٹم بھی باقی قوانین و احکام کی طرح حکومت ہی قائم کرنے کی ضامن تھی۔ جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر مقرر کیا تو اس موقع پر دیگر احکامات کے ساتھ ساتھ یہ ارشاد بھی فرمایا:

فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ.

(بخاري، الصحيح، 2: 505، رقم: 1331)

''ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں میں زکوٰۃ فرض کردی ہے۔جو ان کے امیروں سے لے کر ان کے غریبوں میں صرف کی جائے گی''۔

زکوٰۃ کا اصل مقام

زکوٰۃ کوئی ایسی خیرات نہیں جسے جب، جس قدر دے دیا، یا نہ دیا بلکہ یہ حقِ واجب ہے جسے حکومت بلا کم و کاست وصول کرے گی اور مستحقین کی ضروریات قانونی طور پر پوری کرنے کی پابند ہوگی۔یہاں غریبوں، مسکینوں اور ضرورت مندوں کو در در کی ٹھوکریں کھانا نہیں پڑیں گی۔یہاں گھنٹوں لائن میں لگ کر چند ٹکوں کی خاطر ذلیل نہیں ہونا پڑے گا۔یہاں ہر ضرورت مند کی ضروریات باعزت طور پر پورا کرنے کی ضمانت دی جائے گی۔جیسے تنخواہ ایسا حق ہے جسے لینے میں عزتِ نفس مجروح نہیں ہوتی اسی طرح ضرورت مندوں کو اپنا وظیفہ لینے میں احساس کمتری نہیں ہو گا۔یہاں لینے والا اپنا حق لے رہا ہے، دینے والا اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔لینے والا سوائے پروردِگار کے کسی کا احسان نہیں اٹھائے گا اور دینے والا سوائے رضائے مولیٰ کے کسی صلہ و ستائش کا طالب نہیں۔ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن مجید یوں بیان فرماتا ہے:

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا.

(الدهر، 76: 9)

(اور کہتے ہیں کہ) ہم تو محض اللہ کی رضا کے لیے تمہیں کھلا رہے ہیں، نہ تم سے کسی بدلہ کے خواستگار ہیں اور نہ شکر گزاری کے (خواہشمند) ہیں۔

زکوٰۃ ادا کرنے کی جزا

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی نشو و نما کے لئے زمین اور آسمان سے اس کی ضروریات زندگی، خوراک، پوشاک، رہائش اور سماجی و تمدنی کفالت کا ایسا معقول اور وافر انتظام کیا ہے کہ اپنی مخلوق کو کسی بات میں کسی کا محتاج نہ رکھا لیکن ابتدائے خلق سے نسلِ انسانی کے دشمن شیطانی عناصر نے خدا کے پیدا کئے ہوئے وسائل رزق پر غاصبانہ تسلط کر رکھا ہے۔ایک محدود و حقیر طبقہ روزی کے سرچشموں پر قابض ہے۔وہ نہیں چاہتا کہ عام لوگوں کو بھی زندگی کی آسائشیں میسر ہوں، اللہ کے رزق

سے وہ بھی متمتع ہوں، وہ بھی عزت و وقار سے زندہ رہیں۔ یہی وہ مشکل گھاٹی ہے جس کا قرآن کریم نے ان الفاظ میں ذکر کیا:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ۔

(البلد، 90: 11-16)

وہ تو (دینِ حق اور عملِ خیر کی) دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اور آپ کیا سمجھے ہیں کہ وہ (دینِ حق کے مجاہدہ کی) گھاٹی کیا ہے۔ وہ (غلامی و محکومی کی زندگی سے) کسی گردن کا آزاد کرانا ہے۔ یا بھوک والے دن (یعنی قحط و اَفلاس کے دور میں غریبوں اور محروم المعیشت لوگوں کو) کھانا کھلانا ہے (یعنی ان کے معاشی تعطل اور ابتلاء کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنا ہے)۔ قرابت دار یتیم کو۔ یا شدید غربت کے مارے ہوئے محتاج کو جو محض خاک نشین (اور بے گھر) ہے۔

دیکھا غربت، بھوک، ننگ، پسماندگی، بیماری و لاچاری میں گرفتار انسانوں کی طرف توجہ کرنا اور ان کے مسائل و مصائب کو حل کرنا مشکل لیکن ضروری فریضہ ہے گویا دشوار گزار گھاٹی کو عبور کرنا ہے۔

زکوٰۃ نہ دینا، انکارِ قیامت

یتیموں اور محتاجوں کی حاجت روائی نہ کرنا اور معاشرے سے ان کے معاشی استحصال کے خاتمے کی کوشش نہ کرنا قیامت کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ.

(الماعون، 107: 1-3)

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو دین کو جھٹلاتا ہے؟ تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے (یعنی یتیموں کی حاجات کو رد کرتا اور انہیں حق سے محروم رکھتا ہے)۔ اور محتاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا (یعنی معاشرے سے غریبوں اور محتاجوں کے معاشی اِستحصال کے خاتمے کی کوشش نہیں کرتا)۔

دوسرے مقام پر فرمایا: جب جنتی جہنمیوں سے پوچھیں گے کہ تمھیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی؟ تو وہ کہیں گے:

لَمۡ نَكُ مِنَ الۡمُصَلِّيۡنَ وَلَمۡ نَكُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡكِيۡنَ۔

(اور کہیں گے:) تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی۔ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں میں نہ تھے۔ اور ہم محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

(المدثر، 74: 42-44)

جو لوگ مال کے پجاری بن جاتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی بجائے اپنی تجوریاں بھرتے رہتے ہیں اُن کے لیے قرآن مجید (التوبہ: 34-35) میں درد ناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

جو لوگ غریبوں کو ان کا حق فراہم نہیں کرتے وہ خود تو عذاب الٰہی کو بلاتے ہی ہیں لیکن بسا اوقات ان کے کفر کا سبب بھی بن جاتے ہیں جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا.

(محمد بن سلامۃ، المسند، 1: 342، رقم: 586)

قریب ہے کہ غریبی کفر ہو جائے۔

بعض لوگ غریبوں کو اپنے مال میں سے کچھ حصہ دے کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے ان پر احسان کیا ہے جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ ان کا حق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو ان کا حق ہے وہ در اصل ہمارا مال ہی نہیں ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَفِيٓ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ۔

اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا۔ (الذاریات، 51: 19)

یہ فرماکر بتا دیا کہ ضرورت مند کے لینے میں عار نہیں اور مالدار کے دینے میں احسان نہیں، وہ اپنا حق لے رہا ہے اور یہ اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔

نظامِ زکوٰۃ کیسا ہونا چاہئے؟

اسلام ہمیں ایسا نظامِ زکوٰۃ دیتا ہے کہ جس میں دایاں ہاتھ دیتا ہے تو بائیں کو پتہ نہیں چلتا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ زکوٰۃ کے نظام کو منظم کیا جائے۔ اربوں روپیہ جو زکوٰۃ کی مد میں حکومت وصول کرتی ہے، اسے صرف اس محکمہ کے افسران اور زکوٰۃ چیئرمینوں کے اللوں تللوں پر خرچ نہ کیا جائے، بلکہ تقسیمِ زکوٰۃ کا اسلامی نظام اپنایا جائے۔ حکومت ہر فرد کی بنیادی ضروریات، روٹی، لباس، رہائش، علاج اور تعلیم کی ضرورت پوری کرنے کی ذمہ داری اٹھائے اور زکوٰۃ میں ہونے والی لوٹ کھسوٹ کو ختم کرے۔ اس فنڈ سے رفاہی ادارے قائم کرے۔ ان میں سرفہرست بیت المال کو منظم کرنا ہے۔ بھیک مانگنے کو حکماً بند کر دیا جائے۔ اوقاف سے حاصل ہونے والی کروڑوں روپے کی آمدنی اور زکوٰۃ کے نام پر جمع ہونے والی اربوں روپے کی دولت سے غربت کے خاتمے کی مفید و مستقل راہیں تلاش کرے۔

کمی وسائل کی نہیں بلکہ حسن تدبیر، خلوص اور ایمان و احساس کی ہے۔ آمدنی کے ان ذرائع کو مزید ترقی دی جا سکتی ہے۔ جس بھوک و افلاس کو اس ملک کا مقدر بنا لیا گیا ہے، جس پسماندگی کو ہماری لازمی صفت بنا لیا گیا ہے، وہ بھوک و افلاس اور پسماندگی ہرگز ہمارا مقدر نہیں بلکہ ظالمانہ، سرمایہ داری و جاگیرداری کے شیطانی سامراجی نظام نے اپنی نحوست کا سیاہ داغ ہماری پیشانی پر چسپاں کر رکھا ہے۔ ہم اس ملک میں اسلامی نظام عشر و زکوٰۃ صحیح و مکمل طور پر نافذ کر کے سود، جوا، شراب اور بے حیائی و فحاشی اور منشیات کے خاتمہ سے حقیقی اسلامی انقلاب لا سکتے ہیں۔ ایک ایسا معاشرہ قائم کر سکتے ہیں کہ جس میں کوئی کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کرے۔ ہر شخص کو عزت و وقار کی پرسکون زندگی میسر آئے۔ محبت و اخوت کی فراوانی ہو، نفرت و کدورت، بغض و حسد کا خاتمہ ہو اور ہر شخص اپنے مفاد کی بجائے دوسروں کا بھلا چاہے۔

خواتین میں بیداری شعور وآگہی کے لیے کوشاں

ماہنامہ دختران اسلام لاہور

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
بیگم رفعت جبین قادری

کی سالانہ خریداری حاصل کریں

فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-5169111-3, 111-140-140 Ext: 149
Whatsapp: 0305-4547289, 0300-8105740
www.minhaj.info, Email: sisters@minhaj.org

THE IMPACT OF THE INTERNET ON YOUTH A DOUBLE-EDGED SWORD

Hadia Saqib Hashmi
Research Associate, ICRIE
Minhaj University Lahore

Introduction

The internet has revolutionized our world in countless ways. It has changed how we communicate, learn, work, and even think. Today's generation, especially the youth, are growing up in a digital environment where everything is just a click away. While the internet brings many benefits, it has also opened the doors to a wide range of dangers—especially due to the rise of social media platforms like TikTok, Facebook, Instagram, and others. These platforms, once intended to connect people and encourage creativity, are now becoming a major source of distraction, moral decay, and deviation from Islamic values.

Deviation of Youth in the Digital Era

One of the most noticeable impacts of the internet on youth is the obsession with becoming famous. Platforms like TikTok and

Instagram are filled with young individuals desperately trying to go viral. The focus is no longer on gaining knowledge or improving oneself but rather on how many likes, followers, or views a person gets.

This desire for digital validation has made many youth anxious, insecure, and addicted to their screens. They constantly compare their lives with others, seek approval through comments and likes, and fall into depression when they don't meet these unrealistic expectations.

Instead of using the internet as a tool for learning or development, the majority of youth use it purely for entertainment. Hours are wasted watching prank videos, dancing trends, or meaningless skits. Valuable time that could be used to learn new skills, study, or engage in productive hobbies is lost in scrolling endlessly through content that offers no real value.

Youth have become distant from books, parents, religious obligations, and even physical activities. Many no longer engage in outdoor sports, social gatherings, or family time because they are too busy living in a virtual world.

The Rise of Unethical and Un-Islamic Content

A growing concern today is the alarming level of vulgar, shameless, and inappropriate content being shared by youth for the sake of views and fame. In many videos, we see young men and women dancing, dressing immodestly, using foul language, and promoting indecent behavior—all of which directly contradict Islamic teachings.

Such content is not only harmful to the creators themselves but also corrupts the viewers, especially younger audiences. What was

once considered shameful is now being normalized, and many youth do not even realize they are indulging in sinful acts.

The harsh reality is that for many youth today, money has become the ultimate goal. Whether the content is ethical or not, whether it pleases Allah or not, is no longer a concern. As long as it brings fame and income, many are willing to compromise their values and dignity.

This obsession with online earnings has led many to ignore the consequences of their actions. Influencers with millions of followers rarely care about the impact they have on others. They are role models to many, yet they promote a lifestyle of materialism, immodesty, and carelessness about religion.

Islam teaches modesty, humility, respect for others, and sincerity in actions. Social media, unfortunately, encourages show-off culture, narcissism, and arrogance. Many Muslim youth have adopted behaviors and trends that are far from the teachings of the Prophet Muhammad ﷺ. Prayer is neglected, Quran is ignored, and Islamic knowledge is seen as "boring" compared to trending reels and viral dances.

The Neglected Benefits of the Internet

Despite all the negatives, the internet is not evil in itself. It is merely a tool, and like any tool, its impact depends on how we use it.

There is a wealth of Islamic content online—lectures from scholars, tafsir of the Quran, hadith explanations, and Islamic history. Youth can access knowledge from any corner of the world,

anytime. Learning about deen has never been so easy. But sadly, most do not take advantage of this.

Many platforms offer free or affordable courses in graphic design, programming, language learning, digital marketing, and more. Youth can become job-ready or even start their own businesses by learning online. Instead of wasting time on useless videos, they could use the same internet to build their careers and become assets to their communities.

Social media can also be used for spreading Islamic messages, correcting misconceptions, and guiding others. There are influencers who are doing a great job of combining Islamic reminders with creative content. But again, they are in the minority.

A Call for Awareness and Responsibility

This situation demands urgent attention from all parts of society—parents, teachers, religious leaders, and the youth themselves.

Parents must actively monitor what their children are watching and posting online. They should educate them about Islamic values and set clear boundaries on internet usage. Spending time with children, guiding them lovingly, and being involved in their digital lives is more important than ever.

Mosques, madrasas, and Islamic centers should focus on youth engagement. Instead of only traditional methods, they must include discussions on modern challenges like social media, addiction, and digital fitnah (trials). Youth need to feel connected to Islam in a practical and relatable way.

Ultimately, it comes down to personal responsibility. Every young Muslim should ask themselves: Is what I'm doing online pleasing to

Allah? Am I wasting time or using it to grow? Is the content I'm creating or watching leading me closer to Jannah or further away?

Remember, life is short, and every moment counts. Social media fame is temporary, but the Hereafter is eternal.

Choose Wisely

The internet is a powerful tool. It can either build you or break you. It can be your path to knowledge and success or a road to distraction and destruction. The choice lies with each individual.

We urge the youth to wake up from the illusion of social media fame and focus on what truly matters—faith, family, character, and contribution to society. Let us use the internet not as a means of deviation but as a path to grow closer to Allah, serve humanity, and prepare for a better life in both worlds.

May Allah guide our youth, protect them from fitnah, and grant them the wisdom to use the internet wisely and responsibly. Ameen.

منہاج القرآن ویمن لیگ کے زیر اہتمام شہر اعتکاف 2025ء توبہ اور آنسوں کی بستی میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے فکر انگیز خطابات اور دیگر سرگرمیوں کی تصویری جھلکیاں

Monthly
DUKHTARAN-E-ISLAM
MAY-2025
LAHORE
Regd CPL No.45

ہدایاتِ زندگی کا جامع نصاب

Author
SHAYKH-UL-ISLAM
DR MUHAMMAD TAHIR-UL-QADRI

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی طرف سے ہدایاتِ زندگی کا جامع نصاب 'سلسلہ تعلیماتِ اِسلام' جس میں عبادات، فرائض و واجبات، حقوق و معاملات، اخلاق و تصوف، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلامی افکار سے متعلق موضوعات اور روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل کو عام فہم انداز میں تیار کیا گیا ہے۔ یہ کتب اپنی افادیت کے اعتبار سے ہر شخص کے لیے خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔